ایک دلچسپ پاکیزہ معاشرتی ناول

بہانے

(3)

عفّت موہانی
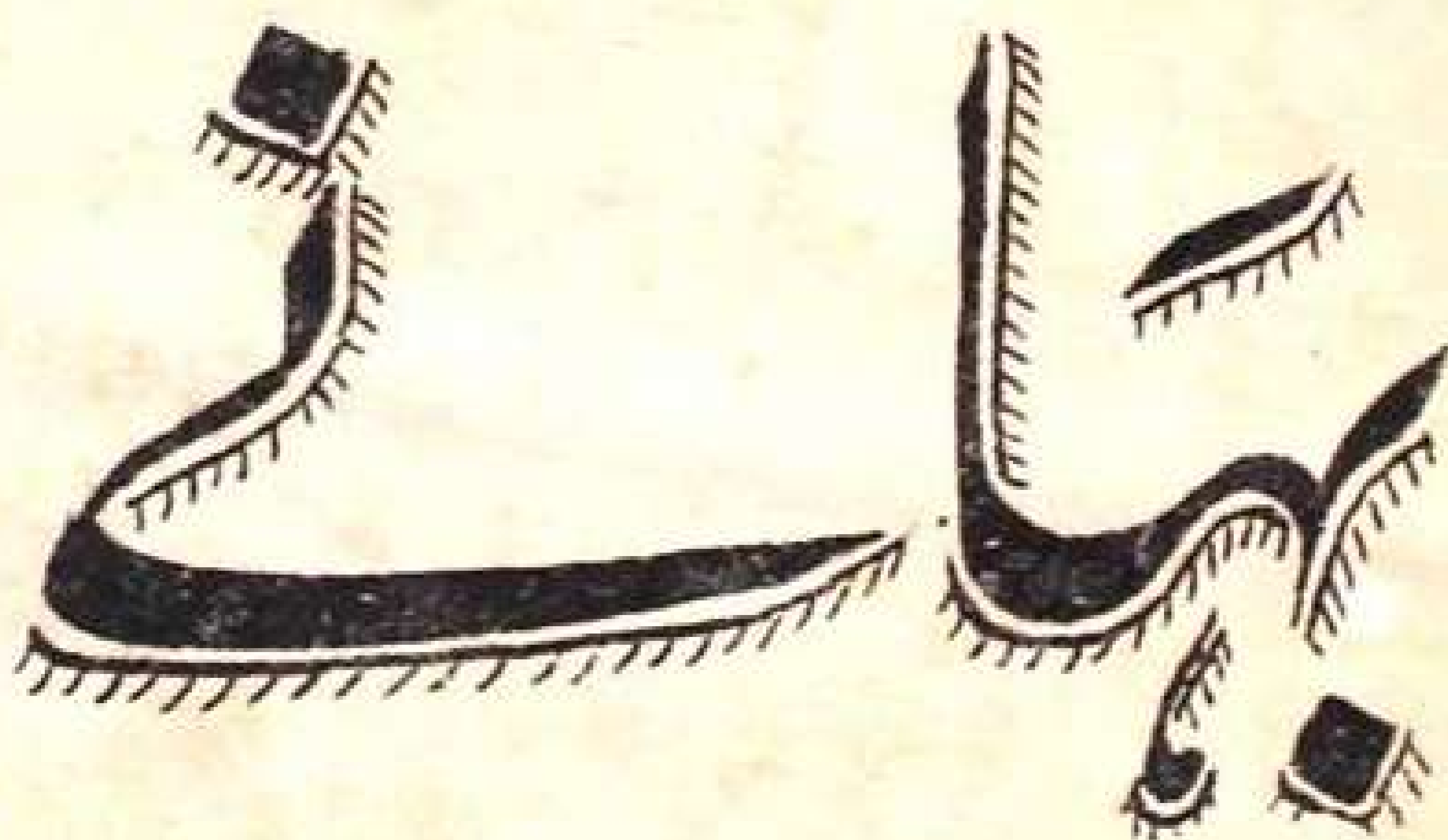
قیمت

سات روپیہ پچاس پیسے

ناشر

نسیم بک ڈپو ۔ ۲۵ ۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون:۔ ۲۴۵۵۹ ۔ ۲۵۳۳۴

باہتمام عزیز الرحمٰن ۔۔۔۔ نظامی پریس لکھنؤ میں چھپکر شائع

بار اول نومبر ۱۹۷۴ء

"رات کا سیاہ اژدھا صبح کے مسکن کی طرف رینگ رہا تھا۔ آسمان کی پیشانی غبار آلود تھی۔ سحر دور تھی۔"

صبح کیسی ہوگی؟ چلتے چلتے نوشیبہ کا دل تھمنے لگا۔ وہ دیر سے صوفہ کے ہنڈل پر کہنی ٹیکے ماں کی بیمار شکل تک رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا اگر اس نے پہلو بدلا تو اس کی ماں کو ضرور تکلیف پہونچے گی۔ حالانکہ بیمار کا پلنگ اس کے بوسیدہ و کرم خوردہ صوفہ سے بڑی دور تھا۔ لیکن یہ خیال نوشیبہ کے دماغ میں جم گیا تھا۔ لہذا وہ ایک ہی انداز سے بیٹھی تھی۔

سرہانے ملگجے فانوس میں مدھم سا نیلگوں بلب روشن تھا جس کی اداس روشنی کمرے کی فضا کو زیادہ افسردہ اور بیمار بنا رہی تھی۔

امی ہرگز بیمار نہ ہوتیں۔ اگر ابا ایسے نہ ہو جاتے۔

اور اس لفظ اگر سے اس کی ایسی ٹھوکر لگی کہ وہ لڑکھڑاتی ہوئی بہت پیچھے چلی گئی۔ آج سے کئی سال قبل سب کچھ بہت اچھا تھا۔

ابا کی وہ اکلوتی بچی تھی۔ جب اس کا آٹھ سال کا بھائی یکایک چیچک کا شکار ہو کر مر گیا تھا۔ تب سے وہ ابا اور امی کی زیادہ محبوب ہو گئی تھی لیکن اسے نہایت غم تھا۔! ہیرا مٹی میں مل گیا۔ پتھر رہ گیا۔ خدا کے کارخانے سمجھ

بن نہیں آتے۔ ایک لازوال اداسی اور سنجیدگی اس کی شخصیت پر منڈھ کر رہ گئی تھی۔ وہ بچی تو نہیں تھی، پندرہ سال کی عمر ہی میں وہ نہایت سمجھدار اور متفکر ہو چکی تھی۔ چھوٹی سی بات کو بہت بڑھا کر سوچتی تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ بھائی کے مرنے کے بعد ابا یکبارگی کھوکھلے ہو گئے تھے امی ہر وقت آہیں بھرا کرتی تھیں وہ ان کا بے پناہ غم بانٹ نہیں سکتی تھی۔ چور سی بن کر رہ گئی۔ جیسے بھائی کو اسی نے مارا تھا۔ دراصل مرنا تو اسے تھا وہ تو لڑکی تھی۔ بے کار سی جنس۔ بھیا تو مرد ہونے والا تھا۔ امی کا سہارا۔ ابا کا بازو۔۔

ابا کا شدید پیار اسے اپنی ذات پر تمسخر معلوم ہوتا تھا۔ سچ مچ ان کا یہ عالم تھا کہ اگر اس کے پھانس لگتی تو جیسے ابا کے دل میں بھالا چبھ جاتا۔ امی ہر دم اس پر آیتیں دم کیا کرتیں۔ جیسے لاشعوری طور پر دونوں خائف رہتے تھے کہ کہیں اجل کا ان دیکھا ہاتھ اسے بھی ان کے درمیان سے نہ جھپٹ لے جائے۔

بچپن ہی سے وہ بہت سنجیدہ اور سمجھدار تھی۔

جیسے مستقبل میں برباد ہونا ہوتا ہے وہ شروع ہی سے سمجھدار ہوتے ہیں۔ ابا اسکی خاموشی سے خوفزدہ رہتے اور کوشش کرتے کہ وہ انھیں متبسم اور مسرور نظر آئے اسے لطیفے سناتے۔ اسکے لئے کتابیں منگواتے اور اس طرح اس کی دلجوئی کرتے جیسے اس کے باپ نہ ہوں، اس کے دوست رہوں!

ان کے پیار کے گہوارے میں نوشیہ نے اپنی زندگی کے سترہ پلنگ لیے تھے۔ وہ جانتی نہیں تھی۔ زندگی جسے کہتے ہیں وہ زہر ہلاہل سے عبارت ہے بیچارے ابا کسی سے کہے بغیر چپکے یہ زہر پی رہے تھے۔

امی تک بے خبر تھیں۔ ابا کی حیات کا قلعہ پانی پر ایستادہ تھا۔ اندر اندر وہ کچھ بھی نہیں رہ گئے تھے۔ دوست احباب نے انھیں سینے سے لگا لگا کر لوٹا تھا۔ ہنس ہنس کر سینے میں خنجر اتارا تھا۔ پیار کے بہانے نفرت دی تھی آبا پر شرافت اور بزدلی کا ایسا کڑا ہنڈولا تھا کہ وہ جانتے بوجھتے منھ نہ کھول سکے۔ اور نام نہاد دوستوں کی دوستی پر مصلوب ہوا کیے۔

امی کی سترھویں سالگرہ پر جب انھوں نے ایک بنگلہ رہن رکھا تب امی کا ماتھا ٹھنکا۔ انھیں گھر پھونک تماشہ پسند نہ تھا۔ ایک کالی رات انکے سامنے تھی، لیکن وہ خود فریبی میں خود کو بہلائے گئیں۔ شاید وہی غلط سوچ رہی ہوں۔

آفتاب احمد اتنی جلدی افلاس کا منھ نہیں دیکھ سکتے۔ ان کا شمار شہر کے روسائے اعظم میں ہوتا تھا اور بے شمار دولت اتنی بے وفا کیسے ہو سکتی ہے کہ اتنی جلد ساتھ چھوڑ دے۔

دوستوں نے آفتاب احمد کو ریس اور مقدمہ بازی کے چکر میں ایسا گھن چکر بنا دیا تھا کہ پھر وہ مرتے دم تک سنبھل نہ سکے۔ ایک ایک گھر کارخانہ مِل سب آہستہ آہستہ بکتا رہا۔ کوئی ایسا ہمدرد نہیں تھا، جو انھیں سمجھاتا کہ روپیہ وہ پرند ہے۔ جو قفس کا در کھلا دیکھتا ہے تو اس طرح پھر سے اڑ جاتا ہے کہ پھر قفس میں واپس نہیں آتا۔

ایک دن ان کے بوڑھے منشی نے بڑی رازداری سے بیگم آفتاب کو اطلاع دی تھی کہ بینکوں میں کچھ بیلنس نہیں رہا۔ مکان بک چکے ہیں اور آفتاب احمد مہاجنوں کے مقروض ہیں۔

وہ دل پر ہاتھ رکھ کر خلا میں کچھ ڈھونڈتی رہ گئیں۔ پردہ دری نے

آفتاب احمد کو بیمار کر دیا۔

تب ایک ہلچل سی مچ گئی۔

آفتاب احمد بستر مرگ پر آ لیٹے۔ افلاس۔ قرضخواہوں کے شدید تقاضے۔ بیوی اور لڑکی کا جانگسل خیال۔ ان بر گئی بیماریوں نے یکبارگی حملہ کر دیا تھا۔ پہروں خاموش پڑے سوچتے رہتے۔ ایک انہونی آرزو ہوک بن کر سینے سے نکلتی۔ اے کاش۔ وہ سب کچھ پھر واپس آ جائے۔ جو کھو گیا ہے۔ لیکن انکی آرزو کبھی پوری نہیں ہوئی۔

راتوں کی تنہائی میں وہ بے آواز رویا کرتے۔

دن آہیں بھرتے گزارا کرتے۔

لیکن سب کچھ بے سود۔

انھیں معلوم تھا۔ "کسی بلند ترین عمارت کا زینہ چڑھنا ایسا مشکل نہیں ہے۔ لیکن بلندی سے پستی کی طرف اترنا بہت حوصلہ شکن کام ہے۔"

اب ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

رہا سہا گاؤں قرض اور سود میں مہاجن نے ہتھیا لیا تھا۔

پہلے گھر کا کوئی فرد بیمار ہوتا تو شہر کے اونچے ڈاکٹروں کی گاڑیاں آفتاب منزل کی طرف دوڑتی نظر آتیں۔

اب وہ رکشا پر بھی حکیم کے مطلب تک نہ جا سکتے! کرایہ دینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ بیماری بڑھتی گئی۔ ذہنی بھی جسمانی بھی۔ بہت دنوں سے فریش تھے۔

وہ دوست جن پر وہ بے تحاشہ خرچ کرتے تھے پتہ نہیں کدھر اڑنچھو ہو گئے تھے۔ جن لڑکوں کی انھوں نے اپنے خرچ سے شادیاں کرائی تھیں جنھیں اپنے مصارف

سے فارن بھجوایا تھا۔ وہ جیسے اس دنیا میں تھے ہی نہیں!۔ وہ کرنل، جرنل سرجن اور بیرسٹر جن سے شام وسحر کا اٹھنا بیٹھنا تھا انھوں نے مڑکر نہیں پوچھا۔ نہ کوئی بیرسٹر ایسا نکلا جو آبائی جائیداد بے ایمان قرضخواہ سے چھڑا دیتا نہ کوئی ڈاکٹر ایسا تھا جو اپنے دوست کا مفت علاج کر سکتا!۔

کسی کو یاد نہ رہا تھا کہ ان پر جان چھڑکنے والا کوئی آفتاب احمد بھی کبھی تھا! جو اب گوشہ گمنامی میں پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے!۔

بیگم آفتاب نے شوہر کے علاج کے سلسلہ میں اپنا سارا زیور فروخت کر دیا وہ یہی غنیمت سمجھ رہی تھیں کہ ان کا شوہر ان کے سر پر سلامت تو ہے۔ ان کی زندگی کے سامنے زیور کی کیا اوقات ہے اس طرح دست قدرت نے وہ پونجی بھی ان کے ہاتھوں سے تلف کرا دی جو کبھی کام آسکتی!۔

آفتاب احمد اپنی بچی کے لیئے زندہ رہنا چاہتے تھے۔ اپنی موت کا انھیں خیال آتا تو رگ رگ سے جان کھنچنے لگتی۔ ان کے بعد کیا ہوگا۔ بے سہارا بیوی اور معصوم لڑکی کا؟۔ یہ دونوں کیا کریں گی۔ متواتر افکار نے ان کے حواس پر نہایت ناگوار اثر ڈالا۔ اور ایسا شدید صدمہ انھیں ہوا کہ وہ دن بدن بے جان ہوتے گئے۔

وہ سمجھ چکے تھے کہ اچھے عروج کا یہ زوال نہایت دردناک ہوگا۔ اپنے آس پاس انھیں تاریکی نظر آتی۔ ایک دھند تھی جس میں وہ ملفوف تھے۔ فرار کی کوئی راہ نہیں تھی سوائے موت کے۔ اور مرنے سے انھیں ڈر لگتا تھا! آج تک نوشیبہ نے کبھی کسی کی موت نہیں دیکھی تھی۔ نہ کہ اپنے چاہنے والے باپ کی موت۔ کہیں اسی کا دماغ نہ الٹ جائے۔ وہ نوشیبہ کے چہرے پر نظر بھی نہ ڈالتے۔

نوشیہ کو ادراک نہیں تھا کہ باپ بستر مرگ پر دراز تھے۔ وہ ان کے صحت امتداد ہونے کی دعا مانگتی تھی۔ تلاوت کر کے باپ پر دم کرتی۔ اسے یقین تھا۔ خدا کا کلام بے اثر نہیں ہے اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ خدا کے کلام میں بھی موت کا تذکرہ موجود ہے۔ جب آجاتی ہے تو دھاگے برابر ادھر اُدھر نہیں ہوتی!۔

وہ ان کا دل بہلانے کے لیے بچوں کی سی باتیں چھیڑ دیتی۔

"ابا آپ اچھے ہو جائیے تو پھر کشمیر چلیں گے!"

اسے کیا خبر تھی کہ اس کے ایسے الفاظ آفتاب صاحب کے قلب و دماغ پر لوہے کی ضرب بن کر لگتے تھے لیکن وہ بڑی خندہ پیشانی سے کہتے!۔

"مگر ان دنوں کشمیر تو برف سے ڈھکا ہوا ہوگا"

اللہ.... آپ سمجھے نہیں۔ گرمیاں بھی تو آئیں گی؟"

• کون جانے کس کے لیے آئیں گی۔ ان کا دل آہیں بھرنے لگتا۔

"بیٹی ہماری ذات سے اپنی خوشیاں وابستہ نہ کرو"

کیوں ابا۔

ہم ایسے خوش نصیب نہیں ہیں۔ نوشیہ۔

کیوں ابا.... بولئے نا؟۔

کچھ نہیں۔ بیٹی۔ آدمی۔ آدمی کا سہارا نہیں ہے

میں اب بھی نہیں سمجھی۔

سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ •

پھر اللہ نے آپس کی عزیز داریاں کیوں رکھی ہیں۔

تاکہ آدمی آسانی سے تباہ ہو سکے۔ آسمان سے فرشتے

تو نہیں اترتے؟۔ آدمی ہی آدمی کو برباد کرتا ہے۔ کبھی اپنے کبھی بیگانے۔

لیکن ہمیں تو کسی نے تباہ نہیں کیا۔ ہمارا تو کوئی عتر بھی نہیں ہے!۔

انسان کو وہ تباہی بڑی عبرت انگیز ہوتی ہے جو اپنے ہاتھوں آتی ہے۔!"

ابا آپ اتنا نہ سوچا کیجئے۔

اچھا بیٹی۔

شطرنج لاؤں۔ کھیلیئے گا۔

اٹھ کے بیٹھ کہاں سکتا ہوں۔ بیٹی۔

پیارے ابا جلدی سے اچھے ہو جایئے۔

اللہ سے مدد مانگو نوشیہ۔

ابا کیا آپ رو رہے ہیں۔

نہیں بیٹی۔ میں نہیں روتا۔ آنکھیں جل رہی ہیں۔

آپ آنکھیں بند کر لیجئے۔ میں آپ کا سر دباتی ہوں۔ نیند آجائے گی!۔

اگر نوشیہ کسی کام میں مصروف ہوتی تو وہ بچوں کی طرح رو کر بیوی سے پوچھتے تھے۔

" عائشہ۔ بتاؤ۔ میرے بعد کیا ہوگا۔ مجھ پر نزع کا عالم طاری ہے۔ عائشہ نہ میں جیتا ہوں نہ مرتا ہوں۔ نوشیہ کا کیا حال ہوگا۔ اب تو شاید تمھارا کوئی زیور بھی نہیں رہا۔"

اس طرح روتے روتے آپ اپنا کیا حال کریں گے کل ہی حکیم صاحب

کہہ رہے تھے کہ آپ کو فکروں سے دور رہ کر حتی الامکان آرام کرنا چاہیئے اگر آپ کو نوشیبہ کا ایسا ہی خیال ہے تو آپ معالج کے مشورے پر عمل کر کے اچھے ہونے کی کوشش کیجیے۔ آپ نے سنا نہیں جان کا صدقہ مال۔ آپ صحت مند ہو جائیں۔ کوئی نہ کوئی راہ زندگی گزارنے کی نکل ہی آئے گی۔"

ٹھیک کہتی ہو بیگم۔ لیکن میں اچھا کیوں نہیں ہوتا؟"

"کیسے اچھے ہوں۔ اتنی بہت سی بیماریاں آپ نے اپنے اوپر منڈھ لی ہیں۔"

"تم نبی بخش کو سیٹھ صاحب کے پاس بھیج تو دیتیں۔ تو شاید وہ سو دو سو سے مدد کر دیتے۔"

بیگم کی آواز سینے میں گھٹ گئی۔" کل ہی شام کو بھیجا تھا۔ رقعہ میں آپ کا سارا حال لکھ دیا تھا۔ مگر انھوں نے جواب دیا کہ ــــــــــ"

"کیا جواب دیا؟"

یہ لوگ بڑے احسان فراموش کمینے اور ذلیل ہیں۔

کہو تو۔ انھوں نے کیا جواب دیا؟۔

"انھوں نے کہا کہ دو سو روپیئے واپس کیسے کریں گے۔ اتنی حقیر رقم۔ کم ظرف آدمی۔ شاید یہ بھول گیا کہ اس کی بیٹی کی شادی میں آپ نے پانچ ہزار کا گلوبند سیٹ دیا تھا۔ اور بڑے لڑکے کو اپنے خرچ پر لندن بھیجا تھا۔ خدا اسے غارت کر دے۔"

آفتاب صاحب کے دل میں ایک درد سا اٹھا اور فرط یاس سے زبان بند ہو گئی۔

بیگم روتے روتے کہہ رہی تھیں۔" آپ اپنا جی بھاری نہ کیجیے۔ میں گھر کا

سارا سامان بیچ دوں گی۔ آپ سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی نہیں ہے۔ ابھی تو نوشیبہ کے کانوں میں سونے کی بالیاں ہیں گے

اس کے کانوں سے نہ اتروانا۔" آفتاب صاحب کا دل پھوٹ پھوٹ کے بہنے لگا کیا گذرے گی میری بچی کے دل پر۔ اس کے کانوں میں جھکتی ہیں تو بہت اچھی لگتی ہیں!"

اس شام کو ان کے گھر میں چولھا تک نہیں جلا۔ آفتاب صاحب کو بیگم ٹانک اور پھلوں کا رس دے آئیں۔ نوشیبہ دالان میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ اس نے ماں کو دیکھا جو پاگلوں کی طرح کمرے کمرے کچھ ڈھونڈتی پھر رہی تھیں۔ وہ چپکے سے اٹھ گئی۔

ایک کے بعد ایک کمرہ جھانک کر بیگم دیوار سے ٹک گئیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"یا اللہ۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو بیچ سکوں۔ کیسا اجڑ گیا میرا گھر آج سلور کے برتن تک نہیں رہے۔ انہی سے بیمار کی دوا ہمارے دوزخ بھرنے کا سامان ہو جاتا۔ اے اللہ۔ میری بچی کیا آج بھوکی سوئے گی نہیں نہیں! اے میرے پروردگار میں اس کے کانوں سے بالیاں نہیں اتار سکتی۔ نہیں نہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

نوشیبہ پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھی۔ اس نے دوبارہ کتاب اٹھائی۔ لیکن سطریں یوں گڈمڈ ہو رہی تھیں جیسے پانی پر لکھی ہوں۔ اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

اب تک اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اس قدر قلاش ہو چکی ہے! اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ بہت برے برے خیالات ستا رہے تھے۔ کہیں کوئی آس

نہیں۔ کوئی سہارا نہیں۔ کیا ہونے والا ہے۔ کیا ہو گا۔ ایک وحشت ناک سنسنی اس کے بدن میں پھیل گئی۔

پھر دوا کے بغیر ابّا کیسے اچھے ہوں گے۔

ان کی زندگی ضروری ہے۔

اس کے ہاتھ بالیوں پر جا کر رک گئے۔

پھر اسے ایک تدبیر سوجھ گئی۔ اس نے جلدی سے ایک بالی کان سے اتار کر چھپا دی اور دوسری پہنے رہی!۔

بیگم آفتاب واپس آئیں تو بیٹی کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ نوشیہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا!۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ماں اس سے شرمندہ ہوں۔ وہ انکی پریشانی بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بہت چپکے سے بولی۔

امی! آج مجھ سے بڑا نقصان ہو گیا۔

کیا ہوا؟" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

امی۔ دوپہر کو باغ میں گئی تھی۔ پتہ نہیں۔ میری ایک بالی کہاں گر پڑی۔!

نقصان تو ہماری تقدیر بن گئے ہیں بیٹی۔ تم غم نہ کرو۔" انھوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔" کل صبح کو پھر ڈھونڈ لینا۔ شائد مل جائے۔

میونسپلٹی کی گاڑی ہمارے باغ کا سارا گھورہ کچرہ لے گئی امی۔"

اللہ کی مرضی۔ وہ بہت بڑا ہے۔

نوشیہ نے بالی کان سے اتار کر ماں کی گود میں ڈال دی۔

اسے پہن کر کیا کروں امی۔ مجھے شائد کل پرسوں اپنے وظیفہ کی رقم کشمت مل جائے۔ پھر خرید لیں گے۔ آپ اسے فروخت کر دیجئے۔

ماں نے کہا۔

بیٹی خالی کان لے کر اپنے باپ کے سامنے نہ جا! ۔
آپ انھیں سمجھا دیجیے ۔ امی ۔ ابا کی اصلی دولت تو میں ہوں ۔ سونا
چاندی بہت آچکا بہت جا چکا ۔"
جب بیگم نے اپنے ملازم نبی بخش کی ہتھیلی پر بالی رکھدی تو وہ رو پڑا ۔
بوڑھا ندیم نمک خوار تھا ۔ دنیا میں یکہ و تنہا ۔ اپنے آقا کے عروج و زوال کے
تماشے دیکھ رہا تھا ۔
" بٹیا کا دل کیا کہے گا ۔ دلھن بی ؟"
" جاؤ دیر نہ کرو ۔ نبی بخش ۔ دل پتھر کرلو "
کتنے میں جائے گی ۔ یہ ایک بالی ؟ ۔
دوسری کھو گئی بھیا ! ۔ تقدیر جو دکھائے ۔!
کہاں کھو گئی ۔
باغ میں کہیں گر گئی ..." اب تم جاؤ ۔ رات کے لیے دوا پھل اور دودھ
منگوانا ہے "
نبی بخش بازار گیا اور ایک بالی کے ڈیڑھ سو روپیے لاکر بیگم کے ہاتھ پر رکھ
دیئے ۔ فقر و فاقہ کے اس عالم میں بیگم آفتاب کو ڈیڑھ سو روپیے ہفت اقلیم کی
دولت سے بڑھ کر معلوم ہوئے ! ۔
دوسرے روز نوشیہ نے اپنی ایک سہیلی درخشاں کے ساتھ بازار
جاکر دوسری بالی بھی فروخت کر دی اور ماں کے ہاتھ پر پونے دو سو روپیے
رکھ دیئے ۔
" مجھے بکشمت وظیفہ مل گیا تھا " اس نے کہا ۔ حالانکہ وظیفہ کا کہیں نام و
نشان بھی نہ تھا ! ۔ وہ انٹرنس کی متعلمہ تھی ۔ اکثر اسے کالج کی طرف سے انعام

ملتے رہتے تھے۔ بیگم آفتاب اس کے جھوٹ میں آ گئیں۔

کچھ دن فراغت سے گزر گئے۔ لیکن کب تک ؟۔

آفتاب احمد نے بیوی سے نہیں پوچھا کہ ان کے پاس پیسے کہاں سے آئے۔ نوشبہ کے کان دیکھتے ہی تھے۔ ان کے دل پر بہت زبردست دھکا لگا تھا وہ بچوں سے بدتر روئے۔ گریہ و زاری نے ان کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا۔ جب ڈاکٹر اور بیگم ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ تو انھیں ہاتھ پاؤں پھینکتے دیکھا۔ آنکھیں اوپر چڑھ گئی تھیں چہرے پر زردی ننڈھ چکی تھی۔

ڈاکٹر ان کی طرف جھپٹا۔ بیگم تیورا کر گریں۔ وہ نوشبہ کو پکار بھی نہ سکیں۔ ڈاکٹر جلدی جلدی آفتاب صاحب کے دل کی جگہ سہلانے لگا۔ لیکن بے سود۔

نوشبہ نے ایک سسکی لے کر دیر بعد پہلو بدلا۔

بس۔ میرے ابا کی کہانی یہیں تک ہے۔

اور اب امی نے بستر پکڑا ہے۔

وہ خود بھی اختلاج اور خفقان کی مریض بن کر رہ گئی تھی۔

اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ہر وقت اپنے پیارے ابا کی شکل اس کے سامنے رہتی تھی۔ وہ ان کا آخری لمحہ بھول نہ سکی۔

ان کے گلے سے خرخراہٹ بلند ہوئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھیں پھر گئیں۔ آن کی آن میں زندگی کا کھیل ختم ہو گیا۔

"کیسی بے بھروسہ چیز ہے یہ زندگی ؟۔ یہ اپنی ہے بھی تو نہیں۔ انسان کی اچھل پھاند کتنی بے معنی اور بے کار ہے۔ اس کی تڑپ اس کی جلن محض حماقت ہے۔ موت کا ساجھٹکا اسے تاریک گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ لوگ بے تاب رہتے

ہیں۔ دولت اور حیات کے پانے کی خاطر شہنشاہ اور پیغمبر سب کے سب اپنے اپنے مشن ادھورے چھوڑ کر اس کارگاہ عالم سے چل بسے!۔ انسان کو پھر بھی عقل نہیں آئی۔ اشرف المخلوقات کی کم سوادی۔! ہر آدمی یہی سمجھتا ہے کہ موت اس کے لیے نہیں بنی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو آتی ہے!"

تو کیا۔ موت آجائے گی میری امی کو بھی؟۔

وہ سر سے پاؤں تک لرز جاتی!۔

نہیں میرے معبود۔ نہیں!۔ اگر تیرے آسمانوں میں انسان کی کمی ہے تو مجھے بھی امی کے ساتھ اٹھالے۔ میں اس بے سروسامان دنیا میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ کوئی پرسان حال نہیں باپ نہیں۔ ماں نہیں۔ بھائی بہن بھی نہیں۔

وہ آہستہ آہستہ رونے لگی۔

آسمان پر تاروں کا غبار بے پناہ ہو گیا تھا۔ رات تاریک تھی سنسان باغ میں تند ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔

دروازے پر پڑا ہوا بوسیدہ پردہ اِدھر اُدھر سمٹا ہوا تھا۔ حد نظر تک اندھیرا چھایا تھا۔ دہلیز کے پاس پرانی حصیر بچھائے نبی بخش ادھورے خراٹے لے رہا تھا!۔

نوشیہ نے ڈرتے ڈرتے ماں کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اور پھر وہ چہرہ ایک آئینہ بن گیا۔ اس پر پچھلی تمام پرچھائیاں واضح تھیں۔

ہنسی بولتی چلتی پھرتی۔ تروتازہ شاداب۔ پھول کی طرح شگفتہ۔ ہر فکر و غم سے آزاد۔ کہیں کسی تقریب میں شامل ہیں۔ کہیں اپنی متعدد سہیلیوں میں بیٹھی ہنس رہی ہیں۔ گھر کے کام کاج میں جٹی ہوئی ہیں۔ ابا آنے والے ہیں۔ وہ

ان کے استقبال کی تیاریوں میں مگن ہیں۔ گھر جنت کا نمونہ تھا۔ ماحول قابلِ رشک تھا۔

اب کیا ہے۔

ہر طرف خاک اڑ رہی ہے۔ ڈھنڈار کمرے۔ تند ہواؤں سے بجتے ہوئے بڑے بڑے دالان۔ مہیب آوازوں سے کھلتے بند ہوتے دروازے۔ شکستہ و بوسیدہ در و دیوار ۔۔۔ ویران۔ اداس۔ بدرنگ۔

اب کہاں وہ قہقہے وہ چہچہے۔

کہاں ہیں وہ دن وہ راتیں۔

ابا کی مقدس و منور شکل خاک کے پردوں میں جا چھپی۔

امی بستر علالت پر دراز ہیں۔

ان کے حواس بجا نہیں۔ اسے وحشت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہیں!۔

جو کچھ ان کے ذہن میں ہے وہ الفاظ کے ذریعہ کہہ نہیں سکتیں۔

پتہ نہیں کیا جی چاہتا ہے۔ ان کا۔ کہہ نہ سکتی ہوں گی۔ انھیں معلوم ہے کہ اب ان کے پاس کچھ نہیں۔ امی کھانے پینے کی بہت شوقین تھیں۔ شائد ان کا دل چاہتا ہو۔ کسی چیز کے کھانے کا۔ لیکن وہ اپنی خواہش کو دل ہی دل میں دفن کر دیتی ہیں۔ انھیں اندازہ ہے کہ نوشیہ ان کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر ہے!۔

نوشیہ کی مدھم مدھم سسکیاں ابھرنے لگیں۔

میری امی مجھے اکیلا نہ چھوڑ جایئے گا۔ پھر مجھے کون پوچھے گا۔ اب بھی کوئی نہیں جو یہ کہہ دے کہ نوشیہ تم فکر نہ کرو۔ ابھی ہم زندہ ہیں۔

میرے اللہ میرے اللہ۔

"وہ رحم طلب انداز میں آسمان کو تکنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ دعا مانگے تو کیا مانگے! دعا تو محض دل کا بہلاوا مصنوعی تسلی کی چیز ہے! — ورنہ جو تقدیر اٹل ہے۔ وہ دعا سے بدل نہیں سکتی!۔ اگر دعا موت کو نہیں ٹال سکتی تو پھر اس کی اہمیت کیا ہے!۔ خدا سب کچھ دیکھتا ہے سنتا ہے۔ التجا تو اس سے کی جاتی ہے۔ جسے کچھ معلوم نہ ہو۔"

اس کے دل سے دعا کی وقعت نکل چکی تھی!۔

بس وہ سوکھی سوکھی سسکیاں لیتی رہی۔

سوچتی رہی۔

رات ڈھلتی رہی۔

پچھلے پہر بیگم آفتاب نے طویل غفلت کے بعد آنکھیں کھولیں۔ نوشیہ ان پر جھکی۔

امی۔ کچھ پئیں گی آپ۔

سو جاؤ ذرا دیر بیٹی۔ آرام کرو۔ ان کی آواز تھکی تھکی لگ رہی تھی۔ کیا وقت ہوا ہے۔

چار بج رہے ہیں!۔

"اچھا"

ان پر پھر غفلت چھا گئی۔

•

ڈاکٹر عباس نے لباس تبدیل کر کے ملازم کو آواز دی۔

اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں پر برش پھیرنے لگے۔

"جلدی آجائیے گا۔" نزہت نے الائچیاں ان کی طرف بڑھا دیں۔

کیا کوئی خاص کام ہے؟۔

اتنی جلدی بھول گئے۔ ریڈیو ہلز چلنا ہے۔

عباس نے دزدیدہ نظروں سے ہاشمی کی طرف دیکھا۔ وہ ان کے بچوں کے پاس فرش پر بیٹھے ریل پٹریوں پر چلا رہے تھے۔

"تم اور ہاشمی چلے جاؤ۔ میں مصروف رہوں گا!۔

کہاں جانا ہے؟" ہاشمی نے پوچھا۔

با ادب با ملاحظہ ہوشیار۔ عباس کو ہنسی آگئی۔

کیا مطلب؟" ہاشمی ریل چلا کر کھڑے ہو گئے اور باری باری بہن بہنوئی کے شریر و متبسم چہرے گھورنے لگے!۔

میں مطلب بلکل نہیں جانتا!" عباس نے کہا "تم اپنی ہمشیرہ محترمہ سے دریافت کرو۔ خواہ مخواہ میں دخل اندازی کا گناہ گار کیوں بنوں"

ہائے اللہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ یوں صاف الگ ہو جائیں گے"

نزہت نے جان بوجھ کر آواز دردناک بنالی "اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اب ہاشمی کا آپ کے سوا اور کون ہے"

"بھئی ان صاحبزادے کی پرورش کی ہے۔ پڑھا لکھا دیا ہے۔ ہاتھ پاؤں کا کر دیا ہے۔ اب آئندہ کے لیئے یہ خود اپنے لیئے سوچیں گے" عباس نے بڑی متانت سے بیوی کو بتایا۔

بس ایک آخری کام یہ کیجیئے کہ ان کی شادی بھی کر دیجیئے" نزہت نے گھگھیا کر کہا۔

"آخری کام کہاں۔ پھر تم فرمائش کرو گی کہ آج ننھے کا عقیقہ کر دیجیئے۔ منّی کے کن چھیدن کر دیجیئے۔ بچوں کو اسکول میں شریک کرا دیجیئے۔ میاں بیوی میں جنگ ہو گئی ہے۔ امن کا جھنڈا لہرا دیجئے۔ خدا کی پناہ" عباس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیئے۔

میں جب سے آیا ہوں مسلسل یہی تذکرہ سن رہا ہوں" ہاشمی بور ہو گئے

دل چھوٹا نہ کرو۔ شادی بھی ہو جائے گی" عباس نے کہا۔

لاحول ولا قوۃ" ہاشمی نے شرارت سے کہا۔

کیا؟" نزہت حیران رہ گئیں۔

صاحبزادے بیوی بے چاری ابھی آئی نہیں اور آپ لاحول پڑھنے لگے" عباس نے کہا۔

باجی۔ ابھی ان لغویات میں مجھے پڑنا نہیں ہے۔ آپ سمجھیں! پہلے میں کہیں ملازمت تلاش کروں گا!" ہاشمی نے کہا اور سگرٹ سمیٹ کر صوفہ پر جا بیٹھے" پھر دیکھی جائے گی شادی وادی۔!؟

سات سال بعد جرمنی سے آئے ہو" نزہت نے کہا" ابھی تو اپنی تھکن اتارو۔ کچھ گھومو پھرو۔ پھر سوچیں گے کہ ملازمت مناسب ہے کہ تجارت!"

ڈاکٹر عباس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی" تب بھی کیوں سوچیں گے میرا مشورہ فیس لیے بغیر یہ ہے کہ آپ اپنے برادر محترم کو چوڑیاں پہنا کر اور دوپٹہ اڑھا کر بٹھا دیجیئے۔ ہم ان کے لیئے ایک کماؤ دولھا ڈھونڈنے نکلیں!۔

یہ آپ کی کچھ اچھی عادت تھوڑی ہے کہ اہم بات کو مذاق میں اڑا دیا

جائے۔" نزہت حسبِ عادت بے حد جلدی بگڑیں۔

ہاشمی بڑی دلچسپی سے بہن بہنوئی کی جھڑپ سن رہے تھے۔ وہ خاموش رہے۔

"میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ پہلے ہاشمی سے پوچھو!" عباس نے کہا۔

"مجھے تو آپ دونوں کی خوشی منظور ہے۔ اگر باجی کہیں گی تو آرام کروں گا اور اگر بھائی صاحب کی خواہش ہو گی تو نہایت شوق سے چوڑیاں پہن کے اور دوپٹہ اوڑھ کے بیٹھ جاؤں گا۔"

عباس نے بڑی قناعت سے نزہت کو دیکھا گویا ہو چکا فیصلہ۔

"میں سمجھ گئی۔" نزہت نے خفا ہو کر کہا۔ "آپ دونوں نے مجھے بیوقوف بنانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ مگر میں بننے والی نہیں۔ ہاں!"

"کسی مکمل شاہکار میں اصلاح کی گنجائش نہیں ہوتی!" عباس نے کہا۔

نزہت کا منہ اور پھول گیا۔ ہاشمی ہنس پڑے۔

"باجی آپ بگڑنا چھوڑ دیجیے۔"

"یہی تو میرا ایک ارمان رہ گیا ہے۔ اماں مرحومہ کی بھی یہی آرزو تھی۔" وہ روہانسی ہو کر بولیں۔ "آپ کچھ دلچسپی لیتے تو میں آج ہی ٹھیکے دار صاحب سے مل آتی!"

"ٹھیکے دار صاحب؟" ہاشمی نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"استغفراللہ۔" ابکی عباس نے کہا۔

"ارے آپ دونوں کا مطلب کیا ہے؟" ابکی وہ چیخیں۔

"ان حضرت کا مکمل حلیہ آنکھوں میں پھر گیا ہے۔" عباس بولے۔ "وہ حضرت ریلوے کنٹریکٹر کہلاتے ہیں مگر تم ایک جاہل گاؤں کی رہنے والی ہو۔ تم انھیں

کنٹریکٹر صاحب کہہ ہی نہیں سکتیں۔ لیکن تمھارا خطاب ان پر بالکل فٹ ہو جاتا ہے۔ کیا شان ہے صاحب !۔"

پھر بیٹھ پیچھے ان کی برائیاں " نزہت نے بُرا مان کر بات کاٹ دی۔

اچھا میں جا رہا ہوں " ہاشمی اٹھ گئے۔

خبر دار۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی " عباس نے للکارا۔

نہیں تم جاؤ " نزہت نے ہاتھ ہلا کر انھیں بھگانا چاہا۔

بیٹھ جاؤ یار۔ عباس نے انھیں پھر صوفہ پر گرا دیا " ہاں تو وہ محترم ہے !؟ مطلب آپ کا یہ ہے کہ ابھی سے ہاشمی کا دل بُرا کر دیں " نزہت نے انکا منھ دبا دیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ کسی ٹھیکے دار سے میرا کیا واسطہ ؟ " ہاشمی نے احتجاج کیا " میں کمار کے ساتھ امرودوں کا باغ دیکھنے جا رہا ہوں .... مجھے دیر ہو جائے گی "

واسطہ ؟ " عباس نے قہقہہ لگا کر سگار کا سرا پنکچر کرتے ہوئے کہا " میاں مجھ سے کبھی کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ دس سال پہلے ہی میں تمھاری گواہی میں تمھاری بہن کو بیاہ لایا تھا "

اچھا آپ جائیے " نزہت نے جھلا کر کہا " میں اسے سب کچھ سمجھا دوں گی۔

عباس بھائی، آپ بتائیے " ہاشمی نے انھیں قہر آلود نظروں سے گھور کر وہ نظریں محض بنا دی تھیں۔

بھائی وہ تمھارے مستقبل کے خسر محترم ہیں۔ عباس کراہے۔

خسر محترم ؟ " ہاشمی اچھل پڑے۔

جناب!" عباس نے بڑی انکساری سے سر خم کر دیا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ باجی؟" ہاشمی نے گونجیلی آواز میں رعب جمایا۔

"شروع ہی سے یہ ان سے خار کھاتے ہیں" نزہت تڑپ کر بولیں "پرانا فیشن انھیں پسند ہوگا۔ بس ذرا مونچھیں رکھتے ہیں!"

"ذرا مونچھیں؟" عباس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں "خدا جھوٹ نہ بلوائے ارے وہاں تو ہونٹوں پر مور پنکھ رکھے ہیں۔ دہانہ تلاش بسیار کے باوجود نظر نہیں آتا۔ یہ بڑا سا چہرہ ہے۔ اس پر دو خونخوار سیلاب زدہ آنکھیں فٹ ہیں۔ اتنی اونچی ناک ہے کہ نتھنوں پر روشندانوں کا گمان ہوتا ہے۔ آواز ایسی شاندار ہے کہ اگر دس میل ادھر تقریر کرنے کے لئے کھڑے کر دیئے جائیں تو ہرگز لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہ پڑے!۔ اور ڈیل ڈول"

"اچھا تو انھیں پسند کر لیا ہے آپ نے میرے سر منڈھ دیں گی" ہاشمی نے ناخوشگوار لب و لہجے میں کہا۔

"ان کی صاحبزادی کا نام فرخندہ ہے" عباس نے ہوا دی۔

"اپنے حیدر آباد کو بھی لوگ فرخندہ بنیاد کہتے ہیں" ہاشمی ہونٹ بھینچ کر غرائے۔

"تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہاشمی" نزہت نے بگڑ کر کہا "نام وام سے کیا لینا ہے۔ میں نے اس لڑکی کو دیکھا ہے۔ بہت حسین ہے۔ اتنی دولت مند اور ——— !"

"اس کے بھی مونچھیں ہوں گی" عباس نے مغموم لہجے میں کہا۔

"مذاق چھوڑیئے" نزہت بولیں "یہ بتایئے پھر آپ نے کیا سوچا۔

خدانخواستہ میں خواہ مخواہ سوچ سوچ کر کیوں اپنا بلڈ پریشر بڑھاؤں گا" عباس نے بیوی کو پھر خفا کر دیا" جس کا معاملہ ہو وہ سوچ لے!"

ہانپ کر نزہت نے کہا" اچھا۔ میں ہی سوچ لوں گی۔ ہاشمی۔ تم لباس بدلو"

کہاں چلنا ہے"

سسرال" عباس نے لقمہ دیا۔

اُف۔ باجی کیا برد کھوا ہے؟۔

نہیں بھئی۔ زبردستی مان نہ مان میں تیرا مہمان والی بات ہے" عباس نے شرارت سے کہا۔

آپ اپنے ہسپتال جائیے" نزہت چیخیں۔

لیجئے میں چلا!" عباس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تم بھی جاؤ" نزہت نے ہاشمی کو حکم دیا۔

سہرا کہاں ہے" ہاشمی نے بے بسی سے کہا" باندھ کے چلتا تو آپ کو آسانی ہوتی پھر بار بار کا جھنجھٹ کیا؟ نکاح رخصتی سب کچھ ابھی ہو جائے!"

وہاں عباس کا ملازم آیا" حضور۔ آپ کے پاس نبی بخش آئے ہیں"

عباس کے چہرے سے بدلہ سنجی کا نور ہو گئی۔ وہ چپکے سے برآمدے میں نکل آئے۔

سلام صاحب"

سلام۔ کہیئے بابا۔ کیا حال ہے۔ بیگم صاحبہ کا؟"

"بٹیا نے آپ کو فوراً بلایا ہے"

" اچھا۔ میں ابھی چلتا ہوں۔ ذرا اپنا بیگ لے لوں"

ہاشمی بھی باہر نکل آئے۔

بوڑھے نے انھیں دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کیا "آپ ولایت سے کب آئے بیٹا ؟"

"تین چار دن ہو چکے" ہاشمی نے بڑے اخلاق سے جھک کر مصافحہ کیا "آپ تو بخیریت ہیں ؟..."

بس بیٹا جی رہا ہوں۔

چلیے جناب!" عباس اپنا بیگ لیے ہوئے آگئے۔

کون بیمار ہے۔آپ کہاں جا رہے ہیں" ہاشمی نے پوچھا۔

خالہ اماں کی طبیعت خراب ہے۔ میں ابھی آیا" عباس نے کہا۔ پھر بوڑھے کے ساتھ چلے گئے۔

خالہ اماں ؟... ہاشمی کے ذہن میں کئی بجلیاں چمکیں۔ بہت کچھ یاد آیا۔ وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے اندر آئے۔ نزہت قدآدم آئینے کے سامنے کھڑی اپنے پر ناقدانہ نظریں دوڑا رہی تھیں۔ ہاشمی کو دیکھ کر مسکرائیں۔

"کیسی لگ رہی ہوں ؟"

ہاشمی نے ان کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا "آپ کے ہمسائے میں تو آپ کا آنا جانا ہوگا ؟"

تھا کبھی" برا سا منھ بنا کر انھوں نے جواب دیا "میں انھیں اچھے لوگ سمجھی تھی۔ مگر مسز ترپاٹھی کا دماغ تو ساتویں آسمان پر ہے۔ ان کے میاں بڑے عہدے پر ہیں تو جیسے بیوی بھی بالشت بھر اونچی ہو کر چلتی ہیں۔ نام بڑے درشن چھوٹے۔ ان کے یہاں مہمان آگئے تھے۔ پیالیاں ہم سے منگوائیں"

ہاشمی بے چارگی سے ان کا منھ تکتے رہے۔ پھر مردہ آواز میں بولے۔

"میں نے آپ سے مسز ثریا ٹھی کے بارے میں کب پوچھا تھا۔ باجی۔؟"

پھر اور کون ہے؟" نزہت نے کہا۔

"کیا آپ خالہ اماں کی خیر عافیت پوچھنے نہیں جاتیں

ارے تم خالہ اماں کو کہتے ہو۔۔ خدا ان کے حال پر رحم کرے مجھے تو عبرت ہوتی

ہے بھیا۔ لاکھ کا گھر خالو ابا نے خاک کر دیا۔ اب یہ نوبت ہے کہ دال روٹی

مشکل سے چلتی ہے۔ خالہ اماں کو سال بھر سے دق ہے۔ بیرون خون ان کے

بدن سے نکل چکا ہے۔ اب وہ بچنے والی نہیں۔ پرسوں ترسوں میرے سامنے

انھوں نے طشت بھر خون اگلا تھا"

ان کے ایک لڑکی ایک لڑکا بھی تو تھا۔

لڑکا بے چارہ مدت ہوئی مر چکا۔ لڑکی ہے۔ پھولوں میں تلتی تھی کبھی۔ دولت کی

سیج پر سوتی تھی۔ اب یہ حال ہے کہ ——— !"

ابھی ابھی عباس بھائی کو بنی بخش لے گئے ہیں۔ پتہ نہیں خالہ اماں کی طبیعت

کیسی ہے آپ بھی چلیئے مجھے بھی لے چلیئے۔ ریڈ ہلز پھر دیکھا جائے گا!۔

بہت دن ہوتے جا رہے ہیں۔

باجی نہ ہیں کہیں بھاگا جاتا ہوں نزوہ آپ کے ٹھیکے دار صاحب۔ ہو جائیں

بہت دن۔!۔

اے۔ زبان سنبھال کے۔ وہ میرے ٹھیکہ دار کیوں ہونے لگے۔

"اچھا وہ میرے ہی سہی۔ میں قمیض بدل کر ابھی آیا"

میں نے خالہ اماں سے تمھارے آنے کا تذکرہ کیا تھا۔ بہت خوش ہوئی تھیں۔

ہاشمی نے لباس تبدیل کیا۔ اور جیب میں کچھ بڑے نوٹ بھی رکھ لیئے۔ نزہت

ان کی منتظر تھیں۔

دونوں بچوں کو آیا کے سپرد کر کے باغ کی راہ چلے گئے۔ ہاشمی نے چاروں طرف دیکھا۔ خاک سی اڑتی نظر آئی۔ خشک حوض پتوں سے اٹا پڑا تھا۔ فوارہ جو کبھی سچے موتی اچھالتا تھا اب شکستہ تھا۔ چمکیلی روشیں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو چکی تھیں۔ اونچے اونچے درختوں میں تند ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں۔ پرلی طرف کی بلند سیاہ دیوار جا بجا سے دانت نکالے کھڑی تھی۔ ہر تیز جھکڑ پر شبہ ہوتا تھا کہ اب سر پر آئی کہ تب۔ وہ گیرج جس میں آفتاب احمد کی شاندار گاڑی کھڑی رہتی تھی۔ اب اس میں کاٹ کباڑ پڑا تھا۔ آؤٹ ہاؤز میں تالے لگے تھے یہاں نہ نوکروں کی فوج تھی نہ ان کے بے فکر بلند قہقہے سب کچھ ویران تھا۔ ہر طرف ایسی سوگواری چھائی ہوئی تھی جیسے موت کے فرشتے نے سب چیزوں پر اپنی چادر اڑھا دی تھی!۔

وہ برآمدے میں آئے۔ بلند اور مدور ستونوں سے خشک بیلیں چمٹی ہوئی تھیں۔ اکا دکا بوسیدہ کین کی کرسیاں یہاں وہاں پڑی تھیں۔

نزہت یہ سب روز ہی دیکھتی تھیں۔ مگر ہاشمی متحیر اور متاثر تھے۔ ان کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا۔ انسان اس طرح بھی برباد ہوتا ہے!۔

وسیع و عریض دالان میں الو بول رہا تھا۔ بڑی فراغ اور اونچی چھت تھی۔ کونوں میں کالے کالے مکڑیوں کے جالے جھول رہے تھے۔

دروازے بند تھے۔

چوبی تخت پر پڑی پھٹی ہوئی دری ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔

ہاشمی کا قلب الٹنے لگا!۔

سامنے والے کمرے سے عباس کی آواز آ رہی تھی۔ نزہت اور ہاشمی اندر

داخل ہوئے۔ ہاشمی کو بیگم آفتاب کے پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ عظیم عمارت کے کھنڈر بھی عظیم ہوتے ہیں! ان کی صحت و زندگی جواب دے چکی تھی لیکن چہرے پر دبدبہ اور پرانا وقار اب بھی موجود تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں بلند ناک، پروقار پیشانی۔ ان کے تیاقے سے ظاہر تھا کہ وہ حالات سے شکست تبدیل کرنے والی نہیں۔ یہ تو حالات سے جنگ کرنے کا نتیجہ تھا!۔

نزہت نے ان پر جھک کر سلام کیا۔ خیریت پوچھی اور کہا۔

آپ کو دیکھنے کے لیے ہاشمی بھی آئے ہیں۔ میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا۔

جیتے رہیں۔ خوش رہیں!" ان کی آواز ڈوبی ہوئی کمزور اور مضمحل تھی۔

اچھا آپ سونے کی کوشش کیجیے" دفعتہً عباس نے کہا" ہاشمی آپ سے پھر ملیں گے۔ میں نے آپ کو نیند کا انجکشن دیا ہے۔ اگر آپ سوئیں نہیں تو آپکی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی"

" تھوڑے دنوں بعد ہمیشہ کے لیے سونے والی ہوں میاں۔ اب جو کچھ بولنے والی ہوں اس سے مجھے منع نہ کرو" بیگم نے کہا۔

مگر عباس نے ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

اپنے لیے نہیں۔ صاحبزادی کے لیے جینے کی کوشش کیجیے۔

اور تبھی ہاشمی کی نظر کرسی کے پیچھے کھڑی ہوئی نوشیہ پر پڑی۔ وہ معمولی کپڑے پہنے تھی، ملگجی سا فیروزے رنگ کا دوپٹہ۔ سفید کرتا پاجامہ۔! اس وقت ہاشمی کو یہ حقیقت معلوم ہوگئی کہ لباس اور شخصیت کا لازم و ملزوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کم قیمت لباس میں بھی وہ ایک شہزادی کی طرح پروقار

اور خاموش لگ رہی تھی۔ اس کی نظریں ماں کے چہرے پر تھیں۔ لیکن خود اس کے چہرے سے کسی قسم کا تاثر واضح نہیں تھا۔ نہ غم نہ پریشانی۔ نہ فکر اور نہ تشویش وہ کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ رکھے گم صم سی اپنی ماں کو دیکھے جا رہی تھی!۔

ہاشمی نے جھرجھری لی۔ اور خود بھی بیگم آفتاب کو دیکھنے لگے!

عباس نے انھیں تسلی دی اور کمرے سے باہر نکلتے نکلتے ہاشمی کو اشارہ کیا!۔

دونوں دالان میں ملے۔

ان کے چہرے پر کیسی زردی ہے" ہاشمی نے کہا۔

جسم کا سارا خون بہہ چکا ہے" عباس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے کہا " اب تو یہ بیچاری اپنی سانسیں پوری کر رہی ہیں۔ ہفتہ بھر سے زیادہ نہیں چلیں گی خیر۔ تم یہ انجکشن لے آؤ۔ جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔ مجھے ہسپتال بھی جانا ہے!"

نسخہ لے کر ہاشمی چلے گئے۔ کچھ دیر بعد نوشیہ دالان میں نظر آئی۔ عباس نے اپنا چہرہ شگفتہ بنا لیا۔

تم ہاشمی سے ملیں" انھوں نے کچھ نہ کچھ کہنے کی خاطر پوچھا۔

جی ہاں۔ باجی نے کہا تھا" نوشیہ نے تھکی تھکی آواز میں کہا" آپ بتائیے۔ بھائی صاحب۔ اب امی کا کیا حال ہے؟ صبح کو انھوں نے اتنا بہت سا خون تھوکا تھا۔ میں تو سمجھی تھی کہ بس اب ——!"

"سب ڈاکٹروں کے سمجھنے کی باتیں ہیں۔ تم کیوں فکر کرتی ہو۔

میں خود کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتی۔ آپ مجھے بتا دیجیے۔

کیا بتا دوں؟۔

امی کو صحت ہو گی بھی کہ ــــ!"

خواہ مخواہ کی بدشگونی۔ جان بلب مریض کے متعلق بھی کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے بس تم اپنا دل مضبوط کر لو۔

نوشیہ نے کہا۔

"ہوئی نا اندیشے کی بات۔ مجھے بھی امید نہیں۔ بھائی صاحب، امی تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگی ہیں اپنے تمام مرحوم عزیز انھیں چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں۔ پہلے وہ میری فکر میں پریشان رہا کرتی ہیں! اب تو انھیں یہ بھی ہوش نہیں کہ نوشیہ نام کی کوئی ہے بھی یا نہیں؟"

اس طرح نہ سوچو۔ بیٹی۔ یہ بھی ایک مرض ہے۔

نوشیہ ویران آنکھوں سے خلا میں گھورنے لگی "کیسے سوچوں۔ ابا کے بعد امی کا سہارا تھا۔ مگر ان کے بعد کون سہارا ہے؟"

"خدا"

"خدا" وہ سسک پڑی۔ پہلے مجھے خدا سے بہت محبت تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ اسے ستر ماؤں سے بڑھ کر مجھ سے محبت ہے۔ کوئی ماں اپنی اولاد کو اس طرح برباد نہیں کر سکتی ..... یہ حالات۔ افلاس۔ بیماری نکبت، لعنت۔ بے سہارا پن۔ کس کی طرف سے ہے۔ کیا میں گناہ گار ہوں۔ مجھے کیسی سزا ملی ہے۔ آج میں اپنے سے زیادہ بدحال کسی کو نہیں دیکھتی۔ اب مجھے خدا سے ڈر لگنے لگا ہے اسے ہمارے احساسات سے سروکار نہیں۔ وہ لاپرواہ ہے۔ مجھے دعاؤں پر بھی بھروسہ نہیں رہا۔!"

عباس چپ رہے۔ انھیں حیرت تھی۔ اتنی سی لڑکی کے دل و دماغ میں کتنے لاوے پک رہے ہیں انھوں نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔ اور کھنکھار کر بولتے

اپنے وقت پر سب ٹھیک ہو جائے گا یوں حوصلہ مت ہارو۔!

آپ کے انجکشن " ہاشمی نے ہانپتی ہوئی سانسوں کو قابو میں کر کے کہا۔ اور پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ایک پیکٹ عباس کی طرف بڑھا دیا۔

ان سے ملو۔ ہاشمی۔ یہ ہیں صاحبزادی نوشیبہ آفتاب احمد۔ اور بے بی یہ ہیں۔ نزہت کے چھوٹے بھائی مصطفےٰ احمد ہاشمی " عباس نے کہا۔

" جی " بہت چپکے سے نوشیبہ نے کہا۔ ہاشمی اتنا بھی نہ کہہ سکے۔ عباس کو جلدی تھی۔ وہ انجکشن دینے چلے گئے۔

آپ نے مجھے پہچانا نہیں " ہاشمی نے اکیلے پن کے احساس سے گھبرا کر کہا۔

نوشیبہ نے اپنی سیاہ پلکیں اٹھائیں۔ آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا۔

" میں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ شاید آپ کو یاد نہ ہو۔ بہت دنوں پہلے ہمارے لان پر آس پاس کے چھوٹے چھوٹے بچے کھیلنے آجاتے تھے۔ ان میں اکثر آپ بھی ہوتی تھیں۔ مگر آپ نے کبھی کسی کے ساتھ کھیل میں حصہ نہیں لیا۔ گم صم جھولے پر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ ایک دن آپ امرود توڑنے چبوترے پر چڑھی تھیں۔ آپ کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ آپ گلاب کے جھنڈ میں گر پڑی تھیں۔ میں اوپر سے آپ کو دیکھ رہا تھا اور ـــــ! "

اور آپ ہی نے شاید میرے زخموں سے کانٹے نکالے تھے؟ " شناسائی کی چمک نوشیبہ کی آنکھوں میں لہرائی۔

جی ہاں۔ جی ہاں " وہ خوش ہو گئے۔

آپ کہیں باہر چلے گئے تھے۔

جی ہاں۔ جرمنی سے۔ ایم۔ اے کیا ہے۔ اسی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی "

بہت بڑے ریاضی داں ہیں آپ۔

ایسا زیادہ نہیں ۔" ہاشمی اس کے تخاطب پر خوش تھے۔

"کچھ ان دنوں کا بھی حساب آپ کو یاد ہے ۔ جو گذر چکے ہیں .... ان کا حساب کوئی یاد نہیں رکھ سکتا !"

"جی ۔" وہ جلدی سے بولے۔

پھر وہ کھڑے رہ گئے ۔ نوشیہ مڑ کر چلی گئی ۔

بیگم آفتاب سو چکی تھیں ۔ عباس بھی چلے گئے ۔ نزہت نے باہر نکل کر نوشیہ سے اجازت چاہی ۔ اس کی پیشانی چوم کر بولیں ۔

"خود کو تنہا سمجھ کر گھبرا نہ جانا ۔ میں نے تو بہت پہلے تم سے کہا تھا کہ خالہ اماں سمیت ہمارے یہاں چل کر رہ جاؤ ۔ تم نے میری تجویز قبول نہ کی ۔ اب بھی کون سی دوری ہے ۔ جب ضرورت ہو نبی بخش کو دوڑا دینا ۔ یا خود پچھلی اینکسی سے آواز دے لینا ..... صبح سے کچھ کھایا پیا بھی ہے ۔"

"کھا لیا تھا ۔ باجی ۔"

"جھوٹا !"

نہیں نہیں ۔ آپ بابا سے پوچھ لیجئے ۔

تو پھر میں چلوں ۔ شام کو پھر آؤں گی ۔ پریشان نہ ہونا ۔ بیماری دکھ سب کے ساتھ لگی رہتی ہے ۔ خدا سے دعا کرو ۔ سب کچھ اچھا ہی اچھا ہو جائے گا !"

اب کچھ بھی اچھا نہیں ہوگا ۔ باجی ۔ برا ہی برا ہوگا ۔ دل سے یہی صدا آتی ہے ۔"

"خدا نہ کرے ۔"

نزہت پھر آنے کا وعدہ کر کے چلی گئیں ۔ نوشیہ اپنی ماں کے کمرے میں جا بیٹھی ہاشمی دالان میں پڑے تخت پر ٹک گئے !

نبی بخش ان کے لیئے چائے لایا۔ اس نے ان کی مشکل آسان کر دی۔

"میاں۔ اندر چل کے بیٹھیئے۔"

انھوں نے نیم گرم چائے حلق سے اتاری۔ اور بوڑھے کے ہمراہ اندر پہنچے

نوشیہ کے لبوں پر سوگوار مسکراہٹ بکھری۔ ہاشمی صوفہ پر جا بیٹھے۔

"میں آپ کی محبت کا شکریہ نہیں ادا کر سکتی۔" نوشیہ نے کہا۔ "عباس بھائی

اور باجی نے ماں باپ بن کر جو سلوک کیا ہے۔ وہ ——!"

"میں نے تو ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا۔" ہاشمی نے کہا پھر صدق دل سے بولے

"کاش میرے بس میں ہوتا! میں اپنی ساری دولت دے کر کسی طرح خالہ اماں

کو صحت دے سکتا!!"

"دولت کسی کو صحت نہیں دے سکتی! ۔ اس طرح تو کوئی بادشاہ نہ مرتا!!"

"پھر بھی آپ فکر مند نہ ہوں۔ خالہ اماں ضرور اچھی ہو جائیں گی۔"

وہ چپ رہی۔ جھوٹی دلدہی کے جواب میں کیا کہتی۔

"آپ نے اپنی تعلیم تو ختم کر لی ہو گی۔" ہاشمی نے پوچھا۔

"اسی سال بی۔ اے کیا ہے۔"

"واقعی۔"

"جی ہاں!۔"

"اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا!۔"

"خیر پھر سوچ لیجیئے گا!" ہاشمی نے کہا وہ پوچھنا چاہتے تھے کہ اس کی گذر

بسر کا کیا ذریعہ ہے۔ لیکن براہ راست اس سے دریافت کرنا بد تہذیبی

کی بات تھی۔ وہ جیب میں بڑے بنڈل کو ٹٹول کر رہ گئے۔

اچانک وہاں عباس کا ملازم آیا۔

"سرکار آپ کے پاس، کمار صاحب آئے ہیں"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے "اجازت دیجیے میں شام کو آؤں گا!"

نوشیبہ انھیں دروازے تک پہونچانے گئی! ۔ وہ اسے سلام کر کے رخصت ہوئے۔ نوشیبہ دیر تک وہیں کھڑی رہی۔

اس نے ان سے یونہی اجنبیت اختیار کی تھی۔ ویسے اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کبھی پرنس مصطفےٰ احمد کہلاتے تھے۔ اپنی ریاست تھی جاہ وحشم تھا۔ اب ریاست نہیں رہی تھی۔ پہلے کے سے ٹھاٹ باٹ بھی نہیں تھے لیکن عباس نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا تھا ——

ہاشمی کے والد کے انتقال کے بعد جب ان کی جاگیریں ضبط ہوگئیں اور ان کی والدہ اچانک ختم ہوگئیں تب خاندان پر یکبارگی کالے بادل چھا گئے۔ عباس نے فوراً ہاشمی کو ولایت بھجوادیا۔ نزہت بے سہارا رہ گئی تھیں۔ وہ ان کی سگی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں۔ انھوں نے نزہت سے نکاح کر لیا اور اس طرح ایک خاندان کے مٹنے کے بعد دوسرا خاندان وجود میں آگیا۔ انھوں نے دوران تعلیم ہی سے پریکٹس کا آغاز کر دیا کسی ڈاکٹر کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے پھر ڈاکٹری پاس کر کے کچھ دنوں سرجن ماتھر کے اسسٹنٹ رہے۔ اور ان کی مدد سے سرکاری ہسپتال میں ملازمت مل گئی۔ اس طرح عباس نے ہاشمی اور نزہت کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ اب ان کو پچھلا جاہ وحشم تو حاصل نہیں تھا لیکن پھر بھی سینکڑوں سے بہتر تھے۔ ذاتی بنگلہ تھا —— انھوں نے گاڑی خرید لی تھی۔ پہلے پہل نزہت نے ایک فرم میں نوکری بھی کی تھی لیکن جب عباس نے معاشی و مالی حالات

پر قابو پالیا۔ نزہت نے ملازمت ترک کردی۔ اب ان کے تین بچے تھے۔ ان پر گورنس تھی۔ عباس نے قرض اٹھا کر اور نزہت کے زیورات فروخت کر کے کچھ باغ خرید لیے تھے۔ جن پر نگراں کار مقرر تھے۔ ہر ششماہی پر باغوں کی فصل بکتی تھی۔ اس طرح وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ ہاشمی کے جرمنی سے واپس آنے تک عباس خاصے دولت مند ہو چکے تھے۔ بے اطمینانی کا دور دورہ ختم ہو چکا تھا۔ ہاشمی بڑا ڈپلومہ لے کے آئے تو انھیں مستقبل زیادہ سنہرا نظر آنے لگا!۔

"بعض لوگ گرتے گرتے بہت جلدی سنبھل جاتے ہیں۔ انھیں غیب کا ہاتھ سہارا دیتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جنھیں غیب کا ہاتھ دھکا دے دیتا ہے۔ انھیں کوئی سہارا نہیں دیتا۔ وہ ایک مرتبہ گرتے ہیں تو بس پڑے ہی رہ جاتے ہیں!"

نوشیہ یہ سب کچھ سوچتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اس نے صوفہ پر ایک لفافہ پڑا دیکھا اس جگہ سے ہاشمی اٹھ کر گئے تھے۔ نوشیہ نے لفافہ کھولا اور اس میں سو سو کے پچیس نوٹ دیکھ کر گم صم ہو گئی۔

وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہاشمی نے جان بوجھ کر یہ لفافہ اس جگہ چھوڑا ہے — اس نے خیال کیا شاید یہ لفافہ ان کی جیب سے نکل گیا ہو گا!۔

"بابا۔!" اس نے پردے کے پاس آکر چپکے سے آواز دی۔

نبی بخش رومال سے ہاتھ پونچھتے دوڑے آئے۔

"بابا دیکھیے۔ ہاشمی صاحب ہیں کہ چلے گئے؟ گھر جا کے، دیکھ آؤں؟"۔

"ہاں!"

وہ پھر ماں کے پاس آ بیٹھی۔ بیگم بدستور غافل تھیں۔

پانچ منٹ بعد نبی بخش نے خبر دی۔ ہاشمی صاحب کہیں جا چکے ہیں!۔

نوشینہ نے لفافہ اپنے ٹرنک میں رکھ دیا۔ اور کتاب لے کر دریچے میں آ بیٹھی۔ لیکن وہ کچھ پڑھ نہ سکی۔ اس کی نظریں دور دور بھٹک رہی تھیں۔ اس کے اپنے بھٹکے ہوئے خیالوں کی طرح ———

رہ رہ کر اس کے دل پر دھکا سا لگتا۔ اور سارا جسم پسینے میں شرابور ہو جاتا! یہ اسے معلوم تھا کہ بیگم آفتاب جینے والی نہیں ہیں۔ پھر بھی کوئی کمزور سا تسلی لگا تھا جیسے طوفانی بارش میں بھیگنے والے کو پھوس کی چھت میسر آ جائے۔ پتہ نہیں وہ کب بارش کے ریلے میں بہہ نکلے! پھر کیا ہوگا۔ طوفان حوادث۔ بربادیاں۔

کوئی اپنا نہ پرایا۔ کہیں کسی کا سہارا نصیب نہیں۔

اسے کسی معجزے کے ظہور پذیر ہونے کا بھی بالکل یقین نہیں تھا! نہ اسے یہ توقع تھی کہ اس کے نیک اعمال آڑے آئیں گے اس نے اب تک درجنوں غریب لوگوں کی مدد کی تھی۔ بھری ہوئی مٹھی دست طلب پر کھول دیتی تھی اور گنتی نہیں تھی۔ اس نے کس کو کیا دیا ہے حقیقتاً ننگوں کے تن ڈھانکے۔ بھوکوں کو کھلایا تھا جوں کا قرضہ ادا کیا اور اس کا ایمان تھا کہ یہ سب کچھ دیا لیا خدا کے یہاں ثواب اور نیکی کے ذیل میں لکھا جا رہا ہوگا

لیکن جوں جوں وہ برباد ہوتی گئی۔ اس کی آنکھیں کھلتی گئیں۔ احساس ہوا

کہ ’’انسان کے اعمال کا تعلق اس کے مستقبل کی اچھائی برائی سے نہیں ہوتا!

اعمال بالکل الگ چیز ہیں! کیونکہ اس نے بارہا دیکھا تھا نمرود اور فرعون سیرت لوگ ہر طرح خوش و خرم آباد تھے۔ جنھوں نے ہمیشہ حق تلفیاں کی تھیں دل دکھائے تھے۔۔ بے ایمانیاں کی تھیں۔ انھیں کوئی سزا نہیں ملی۔ وہ بنتے گئے سنوارتے گئے ان کے جسم پر کسی حادثے سے خراش تک نہ آئی اور اللہ کے برگزیدہ بندے۔ جو باسی تباسی کھاتے تھے۔ حق دار کو حق دیا تھا خدا سے ڈرتے رہے تھے۔ ان کی پیشانیوں پر داغ سجدہ چمک رہے تھے۔ وہ لوگ اٹھتے بیٹھتے تکالیف برداشت کرتے تھے۔ ہر حرکت ان کے لیے باعث لعنت و نکبت بن جاتی تھی۔ وہ بے یار و مددگار تھے نہ ان کا سہارا خدا تھا نہ خدا کے بندے۔ وہ اپنی نیکیوں کی کوئی جزا نہیں پاتے تھے!

نوشیرکا ایمان کمزور اور عقائد متزلزل ہوتے گئے۔

روز روز کے حادثوں نے اس کا یقین بھی باطل کر دیا۔ جزا سزا، نیکی بدی، اچھے برے اور حرام حلال اس کے لیے بے معنی الفاظ بن کر رہ گئے!۔

آدمی تقدیر کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔

خدا کی مرضی کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا!۔

پھر دعا اور دوا کا بہانہ کیا ہے؟۔

جو کچھ مقدر میں ہے وہ تو ہو کر ہی رہتا ہے۔

دعا دل کی تسلی ہے۔

دعا سے کچھ نہیں ہوتا!۔

اگر دعا کارگر ہوتی تو میری دعائے مسلسل کا اثر کیوں نہ ہوتا۔ وہ دعائیں تو قلب کی گہرائیوں سے نکلی تھیں۔ دل مضطر کا دھواں تھیں۔ وہ کیوں بے کار گئیں

کیوں میری ماں مجھ سے چھینی جا رہی ہے ۔ کیوں ؟ ۔ وہ زار و قطار رونے لگی ۔ دفعتہً کسی نے ان کے بالوں میں انگلیاں اُلجھالیں ۔

کب تک یہ آنسو ۔ کب تک یہ آہیں ۔ نوشی ؟ "

اس کی رازدار سہیلی ورشا تھی ۔ نوشیہ نے سر اٹھایا ۔ ورشا نے اسکے آنسو پونچھے اور پاس بیٹھ کر تشویش سے بیگم کو دیکھنے لگی ۔

ہوش نہیں آیا ؟ ۔

نیند کا انجکشن دیا ہے ۔

عباس صاحب نے ؟

ہاں ! ۔

کچھ امید بندھا رہے تھے ! ۔

نوشیہ پرخیال انداز میں اس کا چہرہ تک رہی تھی ۔ اٹھتی ہوئی بولی " ادھر آؤ ۔ میرے ساتھ ۔ دریچے کے پاس ۔ ! "

ورشا اٹھ گئی ۔

چند منٹ بعد وہ کچھ سوچ کر بولی " تم تو باجی کے بھائی کو جانتی ہوگی نام بتاؤ شائد یاد آجائے ۔

پرنس مصطفےٰ احمد ہاشمی ۔

نہیں ۔ میں نہیں جانتی ۔

خیر ۔ وہ امی کی عیادت کے لیئے آئے تھے ! واپسی پر انھوں نے ایک عجیب حرکت کی !

کیا ؟ " ورشا نے حیرت سے پوچھا ۔

" وہ جان بوجھ کر میرے لیئے ایک بڑی رقم چھوڑ گئے ۔

نہیں!

مفلس اور کنگال سمجھتے ہیں!۔

واپس کردو۔ نوشیبہ۔ ان امیر لوگوں کا احسان لینا اچھی بات نہیں۔ یہ لوگ کبھی نہ کبھی اپنے احسان کا بدلہ لے ہی لیتے ہیں!۔

"اب تک دماغ میں بھونچال سا آیا ہوا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ لوگ مجھے اس قابل کیوں سمجھتے ہیں۔ کیا میری کوئی عزت نہیں کوئی وقعت نہیں۔ میں بھکارن معلوم ہوتی ہوں انھیں"

اپنی طبیعت خراب کر لوگی۔ نوشیبہ۔ اس میں سوچنا کیا۔ بابا کے ہاتھ سے وہ رقم واپس کردو۔ مگر تمھیں معلوم ہے کہ وہ رقم نہ ہی حضرت چھوڑ گئے ہیں!۔

اسی جگہ پڑی ملی تھی جہاں وہ بیٹھے تھے۔

عباس بھائی یا نزہت باجی تو نہیں بیٹھے تھے اس جگہ۔

"نہیں۔ باجی امی کے پاس تھیں۔ عباس بھائی ادھر تھے۔ اس کرسی پر!"

مجھے بڑی تشویش ہے۔ نوشیبہ۔

میری طرف سے؟۔

ہاں!۔

کیا؟۔

تم لڑکی ہو۔ زمانہ خراب ہے۔ دنیا دی رشتے کچے دھاگے ہیں۔

تمھارا کیا ہوگا؟۔

نوشیبہ زمین میں دھنسنے لگی۔

آسمان بھورے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہرے بھرے باغات پر بادلوں کی یہ دبیز چادر ایک دلکش نظارہ پیش کر رہی تھی۔ درختوں کے کنج اتنے گھنے تھے کہ ان میں سے آسانی سے گذرنا ممکن نہیں تھا۔ حد نظر تک باغات کا لا متناہی سلسلہ چلا گیا تھا! — داہنی طرف ایک نہر بہہ رہی تھی۔ جس کی متوازی شاخیں ہر سمت میں پھوٹتی ہوئی تھیں۔ پتلی پتلی نالیوں سے بہتا ہوا شفاف پانی پتہ نہیں کہاں سے آرہا تھا۔ نالیوں میں بھی ریت چمکتی نظر آتی تھی۔

کچھ باغبان اپنے کندھوں پر ریگزین کے تھیلے لٹکائے مستعدی سے پھل اکٹھا کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ کہیں مالی درختوں کے درمیان سے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرتے پھر رہے تھے۔ ایک طرف جنگلی پھولوں کا وسیع تختہ تھا۔ رنگ برنگی پھولوں نے سرسبز ہریالی سے مل کر عجیب سی خوبصورت فضا بنا دی تھی۔ ہوا ساکن تھی! ہر منظر تصویر کی طرح کھنچا دکھائی دیتا تھا۔

باغ کے گیٹ پر انھوں نے اپنی گاڑی کھڑی کر دی تھی۔ اور ایک دیہاتی راہبر کے ساتھ یہاں کا معائنہ کرتے پھر رہے تھے!۔

دن کے دو بجنے والے تھے!۔

ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ راہبر انھیں شیڈ کے نیچے لے گیا اور گاڑی سے ان کا تھرماس لینے بھاگا۔

کمار نے سنگی بنچ پر بیٹھتے ہوئے معنی خیز نظر ہاشمی پر ڈالی اور جیب میں سگریٹ کیس ٹٹولیں

ٹٹولنے لگے ہاشمی اب بھی درختوں کی طرف گھور رہے تھے۔

"بھئی یہ تو تمھاری ہی ملکیت ہے۔" کمار نے کہا۔ "ان کے پھلوں پر اپنا

نام تلاش کرنا عقلمندی نہیں!"

میں کچھ اور سوچ رہا تھا؟

اب کیا سوچ ہے؟

بتانے کی نہیں ہے۔

ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ میں تھوڑی ولایت گیا تھا مجھے کیا خبر کہ وہاں کتنی بیگم صاحبان

اور بچے آپ کی مفارقت میں تڑپ رہے ہیں!۔

بکواس!۔

"ہمیشہ تمھارے افکار میں حصہ لیتا رہا ہوں۔ یہی ایک ڈیپارٹمنٹ فکروں

کا ایسا ہے جس کا میں حصہ دار نہیں ہوں!۔"

میں کہتا ہوں کمار۔ ہر وقت کا مسخرہ پن اچھا نہیں لگتا!

وقت کا تعین سرکار نے نہیں فرمایا۔" کمار نے سگریٹ سلگا کر ان کی طرف

بڑھا دیا۔

"یہ ایسی اُلجھن ہے کہ میں ابھی تک خود بھی اسے سلجھا نہیں سکا۔"

شائد یہ ہیچ مداں ہی اسے سلجھا سکے!" کمار نے بڑے ادب

سے کہا۔ دونوں سات آٹھ سال کے ساتھی تھے۔ ایک ہی یونیورسٹی

میں پڑھتے تھے۔ ایک ہی کلاس میں۔ کمار کے والد کا اچانک

انتقال ہو گیا۔ وہ امتحان کی فیس داخل نہ کر سکے، ہاشمی نے جب اپنے

کلاس فیلو کو بہت دنوں تک غیر حاضر پایا تو ساتھیوں سے

دریافت کیا۔۔۔۔ حقیقت حال معلوم کر کے انھیں بہت افسوس

ہوا ۔ انھوں نے کمار کی فیس بھر دی اور گھر کا پتہ معلوم کرکے ان کے والد کی تعزیت کے لیے پہونچے ! ۔ کمار کو اپنے دوست کی ایثار نفسی کا پتہ چلا ۔ اسی روز سے دونوں آپس میں گہرے دوست ہو گئے ۔ امتحان کے بعد کمار نے کہیں سے قرض دام کرکے ہاشمی کا قرض ادا کرنا چاہا تھا لیکن ہاشمی نے وہ رقم واپس نہیں لی ! ۔ ہاشمی کو حصول زر کے لئے ملازمت کی حاجت نہیں تھی ۔ کمار پریشان تھے انھوں نے عباس سے کہہ کر انھیں اپنے باغات کا نگراں کار کر دیا ۔ اب انھیں سات سو روپئے ماہوار ملتے تھے ۔ کمار اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ رہتے تھے ۔ ماں کا انتقال ہو چکا تھا ! چھوٹا بھائی وجے پڑھ رہا تھا ! ۔

کمار اور ہاشمی راز دار اور ایک دوسرے کے غمگسار تھے ! کمار اگر ہاشمی کے خلوص کے گرویدہ تھے تو ہاشمی بھی کمار کی ایمان داری اور دیانت کے مدّاح تھے ! ۔

ان کے مزاجوں میں بھی فرق تھا ۔ کمار بذلہ سنج اور خوش مزاج تھے ۔ موقعہ بموقعہ بے تکے اشعار رسید کر دیتے تھے ۔ ہاشمی کسی قدر سنجیدہ تھے ! ان پر اچھے برے واقعات کا بڑی جلدی اثر ہو جاتا تھا ! کمار ہر مصیبت کا مقابلہ مردانہ وار کر سکتے تھے ۔ ہاشمی گھبرا کر خودکشی کی تدبیریں سوچتے ! ۔

کمار نے ہر ہر قدم پر انھیں سہارا دیا تھا ۔

ہاشمی نے ان کے استفسار پر ایک ٹھنڈی سانس لی اور جلد جلد سگریٹ کے کش لینے لگے ۔ کمار نے ان کی بے چینی بھانپ لی ! ۔ اور خود بھی ایک طویل ٹھنڈی آہ بھر کر بولے ۔

ڈھونڈے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی ۔ جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

میری آہ آتشیں ! آگ عنقا جل گیا

"تمھارے ایسے اشعار پڑھنے سے مجھے بہت کوفت ہوتی ہے۔"

"تم ہی بتاؤ۔ آخر میں کس طرح پوچھوں کہ تم ان آہوں کے سبب بتا سکو!"

مضحکہ خیز بات ہے!"

میں یقین دلاتا ہوں کہ اسے مضحکہ خیز نہیں سمجھوں گا!"

ابھی تم ولایت میں جھک مارنے والی بیگم اور بچوں کا طعنہ دے چکے ہو۔

ہائیں" کمار نے آنکھیں پھیلا دیں" تو کیا میں غلطی پر نہیں تھا۔

نہیں یار۔ ایسی بات نہیں ہے" ہاشمی نے بے بسی سے کہا" میں تو لعنت بھیجتا ہوں۔ ایسی عورتوں پر۔ لیکن ـــ"

"میں نہیں جانتا کہ اس بات کو کہاں سے شروع کروں۔ تقریباً آٹھ سال بعد میں نے اسے دیکھا تھا۔ کہہ نہیں سکتا۔ کمار۔ اس درمیانی قاتل عرصہ نے اس پر کیسا اثر ڈالا ہے۔ پہلے وہ بہار کی ہواؤں سے جھومنے والی ایک نوشگفتہ کلی تھی اور اب۔ پژمردہ پھول ہے۔ میرے دل پر برف سی گرنے لگی!۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ وہی دوشیزہ تھی۔ کس حال میں تھی۔ کمار۔ بس وہ میرے دل و دماغ پر چھا کر رہ گئی ہے!"

میں تو سمجھ گیا تھا۔ وہی ازلی چکر ہے۔ اور کچھ!" کمار نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔

تم نہیں سمجھ سکتے کمار" ہاشمی کے لہجے سے درد برسنے لگا" مجھے اس سے محبت نہیں۔ میں تو زمانے کے الٹ پھیر پر غور کر رہا تھا۔ خدا کسی کو امیر سے غریب نہ کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بے چاری کے پاس نہ ڈھنگ کے لباس

ہیں نہ اچھی غذا ہے۔ عباس بھائی اس کی ماں کے معالج ہیں۔ وہ بہت بیمار ہیں۔ وہ تو یوں بھی ختم ہی ہو جائیں۔ مگر ان کے بعد نوشیہ کا کیا حال ہوگا؟

بہت خوبصورت ہوگی!

باوقار بہت ہے!۔

" بھائی تم حساس بہت ہو ذرا ذرا سی بات تمھیں پہروں ستاتی ہے۔ اس دنیا میں اکیلی وہی نہیں بہت سے لوگ محتاج ہیں مفلس ہیں۔ کس کی حاجت روا کرے کوئی۔ اس لیے اس راہ سے انجان بنا کر گزر رہی جانا دانشمندی ہے۔ کمار نے کہا پھر اٹھنے لگے مگر ہاشمی نے ان کا ہاتھ تھام کر بٹھا لیا۔

" تمھارے خیالات معلوم کرکے مجھے بہت افسوس ہوا۔ اگر تم کسی مجبور ہستی کو دیکھو گے تو کیا چشم پوشی اختیار کر لوگے؟۔

مجبوراً" کمار نے ہاشمی کو ستاتے ہوئے روکھا سا جواب دیا" میں تمھاری طرح رئیس ابن رئیس کہاں ہوں۔ میں بے چارہ باغوں کا نگراں کار رہوں"

اچھا بس۔ میں یہ بکواس سننا نہیں چاہتا۔ آج پتہ چلا کہ تم اس قدر سنگدل بے مروت اور ظالم شخص ہو۔ میں نے حماقت کی جو اتنا بھی تم سے کہہ دیا۔ اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ اب کچھ نہیں کہوں گا!۔

" میں اب تک نہیں سمجھا کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

سبحان اللہ۔ اس قدر تمھاری کھوپڑی پر بھیپوندی لگی ہے۔ اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟۔

معاف کرنا۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے ہاشمی کہ تم حساس اور جذباتی بہت ہو۔ کوئی واقعہ تمھیں پہروں مضطرب رکھتا ہے۔ لیکن یہ بتاؤ میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

"یہ مجھ سے نہ پوچھو کمار۔ بلکہ مجھے بتاؤ کہ میں اس لڑکی کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ ایک راز کی بات تم سے کہتی ہے میں اس کی والدہ کو دیکھنے گیا تھا۔ وہاں چپکے سے کچھ رقم میں چھوڑ آیا ہوں۔ اب سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں میری اس حرکت میں وہ اپنی توہین تو پوشیدہ نہیں دیکھے گی؟"

"تمھارا ضمیر تو مطمئن ہے۔ بس اور کیا چاہیئے۔"

"ضمیر ہی تو مطمئن نہیں۔ خیر چلو چلیں۔ بارش تیز ہونے لگی ہے۔"

راستے بھر دونوں کسی سوچ میں گم رہے۔ ہاشمی نے گھر پہونچ کر کمار کو بھی روک لیا۔ یہاں انھیں عجیب سے بھیانک سناٹے کا احساس ہو رہا تھا بچے گورنس کے پاس تھے۔ لیکن نزہت نظر نہیں آئیں۔ پلنگ پر عباس کا خاص سفید کوٹ دیکھ کر ہاشمی کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ اس وقت گھر پر نہیں رہتے تھے!۔

گورنس نے استفسار پر بتایا "جی ہاں۔ دو گھنٹے ہوئے۔ بیگم صاحبہ ہمسائے میں گئی ہیں۔ بڑی بی کی طبیعت یکایک بگڑ گئی تھی۔ انھوں نے فون کر کے صاحب کو بھی بلوا لیا تھا۔"

انھیں کیا ہوا تھا۔ مسز پارکر؟" ہاشمی نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "میں تو گئی نہیں صاحب" مسز پارکر نے کہا۔ "اور ادھر سے کوئی خبر نہیں آئی۔"

چلو چلیں" ہاشمی نے مڑ کر کمار سے کہا۔ "پتہ نہیں۔ ادھر کیا ہو رہا ہے"

"میں کیسے چلوں، ہاشمی۔ کہیں کوئی برا نہ مانے!" کمار نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

مگر ہاشمی انھیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

آفتاب منزل کے کرم خوردہ پھاٹک کے اندر قدم رکھتے ہی انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بھیانک غیر مرئی شئے ہر طرف محیط ہو۔ درختوں سے سوگوار رئیے میں پانی ٹپک رہا تھا۔ بیگی بھیگی بوجھل ہوائیں چل رہی تھیں۔ فرش پر بچھی ہوئی سرخ پرانی بجری دلدل سی بن گئی تھی جس میں جوتے دھنس رہے تھے۔ چاروں طرف عجیب ہولناک سناٹا اور جانگسل ویرانی سی چھائی ہوئی تھی!

"کیسا ناگوار موسم ہے" کمار نے زیر لب کہا اور جیب سے رومال نکال کر اپنا سر پونچھنے لگے۔

ہاشمی جھپٹ کر زینہ چڑھ گئے۔

دالان میں نبی بخش ملا۔ اس کے بوڑھے جھریوں دار چہرے پر گہرا حزن و ملال طاری تھا۔

"بابا خیریت تو ہے؟" ہاشمی نے پوچھا۔

"دلھن بیگم آخری سانسوں پر ہیں!" نبی بخش کی جھریوں میں آنسو گم ہونے لگے! اس نے دیوار سے سر ٹیک دیا اور بوڑھی آواز میں رونے لگا!

"خدا خیر کرے!" ہاشمی کی زبان سے نکلا۔

جب یہ لوگ اندر پہونچے وہاں موت و حیات کے پرانے کھیل کو دیکھا۔ موت مصر تھی انسانی جان لے کر ہی ٹلے گی۔ زندگی اپنی شکست قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں تھی۔ دو طاقتور پہلوانوں کی طرح اجل اور زندگی بیمار کے تار

نفس کو رستہ کسطرح کھینچ رہی تھیں۔ زندگی ہانپ رہی تھی موت کی جبیں پر تبسم رقص کر رہا تھا
عباس آہ، سینہ میں بیگم کے دل پر رکھے سرنگوں بیٹھے تھے۔ انکی دو انگلیاں بیگم آفتاب کی
نبض پر تھیں۔ لیکن ان کے چہرے سے آس اور امید کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہو رہی
تھی۔ انھوں نے قدموں کی آہٹ پر بھی سر نہیں اٹھایا۔

نوشیہ نزہت کی باہوں میں بیہوش پڑی تھی۔ اسکے چہرے سے بھی زندگی کی سادگی
رعنائیاں مفقود ہو چکی تھیں۔ نزہت کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

کمار سینے پر بازو لپیٹے پلنگ کے پائینتی کھڑے ہو گئے۔ ہاشمی بڑھ کر بیگم آفتاب
کے پہلو میں آ کھڑے ہوئے۔

صبح تک تو اچھی تھیں۔ انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں عباس سے کہا۔
اچانک یہ حالت ہو گئی۔ میں ہسپتال سے آیا تو دیکھا منہ سے مسلسل خون جاری
تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ دل پھٹ گیا۔ عباس نے جواب دیا۔" بڑی سخت کشمکش
جاری ہے۔ خدا ان کی مشکل آسان کر دے۔"

ہاشمی سے بیگم آفتاب کی طرف دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ انکی شکل بگڑ گئی تھی۔ چہرہ
خوفناک حد تک زرد ہو گیا تھا۔ سفید سفید بھیانک آنکھیں نیم وا تھیں۔ انکی
طرف دیکھنا اور ان پر جھک کر سانسیں شمار کرنا عباس ہی کا کام تھا۔

انھوں نے نوشیہ کو دیکھا۔ نزہت نے اشارے سے بتایا۔ دیر سے یونہی پڑی
ہے۔! ان کے اپنے چہرے پر غم منجمد تھا!۔

دفعتہً نبی بخش اندر آیا اور بیمار کے سرہانے بیٹھ کر لیٰسین پڑھنے لگا۔
پھر عباس آہستہ سے بیمار کے پہلو سے اٹھ گئے۔ نبی بخش کے زار زار رونے
سے یہ حقیقت ان پر واضح ہوئی کہ بہر حال جیت موت ہی کی ہوئی تھی۔

رات کے ایک بجے مرحومہ کی تدفین کے بعد وہ سب پھر آفتاب منزل میں اکٹھا ہوئے

نوشیہ اس ویران لق و دق مکان میں اکیلی کیسے چھوڑی جاتی وہ یہیں رہنے پر مصر تھی۔ نزہت نے اس سے اصرار نہیں کیا کہ وہ ان کے پاس چل کر رہے۔ اس کا غم شدید تھا تازہ تھا۔ انھوں نے سوچا کہ اسے غم سے سنبھلنے دیں۔ پھر زمانے کی اونچ نیچ اسے سمجھائیں گی!۔

نزہت بدحواس تھیں۔ ان کا اپنے بچوں کے پاس رہنا ضروری تھا۔ نوشیہ کو تنہا چھوڑنا بھی سنگدلی تھی لیکن نوشیہ کو ہوش اور احساس ہی کہاں تھا جو وہ غمگساروں کی نقل و حرکت کے بارے میں سوچتی۔ وہ اپنی ماں کے خالی پلنگ کی پٹی پر سر ٹیکے اب بھی دنیا مافیہا سے بے خبر بیٹھی تھی۔ عباس ہاشمی اور کمار باہر تاریک دالان میں کھڑے بہت چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے!۔ ان کی گفتگو کا موضوع بھی نوشیہ کی ذات سے وابستہ تھا۔

نزہت صبح تک کے لیے گھر چلی گئی تھیں۔

نبی بخش نوشیہ کے پاس بیٹھا اب بھی سسک رہا تھا۔ دفعتہً نوشیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ نبی بخش کانپ گیا۔ کیسی بھیانک ویرانی تھی نوشیہ کی آنکھوں میں۔ جیسے وہاں بھی کسی کا جنازہ اٹھا ہو۔

بٹیا۔" اس نے شدتِ غم سے بوجھل لہجے میں کہا۔

بابا جاؤ تم۔ مجھے اپنی امی کی یادوں کے پاس چھوڑ دو۔" نوشیہ نے سرد و ساکت آواز میں کہا۔" تم کیوں آنسو بہا رہے ہو بابا۔ کیا تمھیں بھی یہ وہم ہے کہ اس طرح رو رو کر التجا کرنے سے امی واپس آ جائیں گی؟ بابا۔ مجھے تو ساری زندگی رونا ہے۔" اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے سر پٹی پر رکھ دیا۔

"بٹیا بیبی! تو میں بھی کہتا ہوں۔ رونے سے کچھ حاصل نہیں۔" بوڑھا اپنے صافہ سے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔" نہ رو بیٹی۔ موت اٹل ہے۔ سب کو آتی ہے پیغمبروں

کو بھی شہنشاہوں کو بھی۔ اس سے انکار نہیں۔ آنسو وُں میں آدمی اپنی سدھ بدھ بہا دیتا ہے۔ غلط سلط سوچتا ہے۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ خدا کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہم نا سمجھ انسان اس کی گہری مصلحت تک نہیں پہونچ سکتے! دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے۔ میری بچی۔ ایک بڑا درخت جو پرانا ہوتا ہے وہ گر جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا جوان درخت پھلتا پھولتا ہے۔ ہر رات کی صبح لازمی ہے۔ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ کیا اس نے تم کو پیدا نہیں کیا۔ کیا وہ تم سے غافل ہے؟ کیا اسے تمھارے غم کا پتہ نہیں ہے۔ بیٹی اٹھو۔ صبر کرو۔ یہ وقت بھی ہر وقت کی طرح گذر جائے گا!۔ کون جانتا ہے۔ نصیب کا کون سا اجالا تمھاری طرف بڑھ رہا ہے۔ حسینؓ نے بھوکے پیاسے رہ کر تپتی ریت پر گردن کٹائی تھی۔ آج ان کا دین کس مقام پر ہے؟ اور حضرت ایوبؑ، حضرت یعقوبؑ کو دیکھو کر ــــ!"

نو تیہر نے سر اٹھایا۔ دھار دار لہجے میں بولی " وہ سب پیغمبر تھے بابا۔ ان کا ظرف پیغمبروں کا ظرف تھا۔ خدا انہیں کہہ کر تکلیفیں پہنچاتا کرتا تھا شیطان سے خدا کی شرط لگتی تھی۔ وہ سب ایک بندھا ٹکا کارخانہ تھا۔ جس میں جیت بہر حال پیغمبروں ہی کی ہوتی تھی۔ حسینؓ کا اونٹ تین بار راستہ بھول کر کربلا کے میدان میں کیوں جا پہونچا تھا۔ کس نے اس کی مہار موڑ دی تھی۔ ایوبؑ کے زخم کس نے اچھے کئے تھے۔ ان کا نقصان کس نے پورا کیا تھا۔ یعقوب کو دوبارہ بیٹے کی صورت کس نے دکھائی تھی۔ بابا۔ بابا یہ سب دل کے بہلانے کی باتیں ہیں۔ میرے سامنے تو یہ حقیقت ہے کہ میری اماں مر چکیں اب مجھے کبھی نہیں ملیں گی۔ اتنی بڑی دنیا میں میں اکیلی ہوں۔ میرا کوئی نہیں۔ میرا مال و متاع چھن چکا۔ میں مفلس ہوں۔ اب کون میری دستگیری کرے گا؟۔

"بیٹی اس طرح جان کھونے سے کیا حاصل ہے" بوڑھے نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے آنسو پونچھے "کوئی آدمی دنیا میں اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ سب کچھ خدا کرتا ہے۔ وہی تمھاری بھی دستگیری کرے گا کون جانتا ہے کہ آگے چل کر کیا ہونا ہے۔ جب کسی معمار کو پرانی عمارت کی جگہ نئی عمارت بنانی ہوتی ہے تو وہ اپنی مرضی سے پہلے پرانی عمارت کو گراتا ہے۔ جس میں وہ رہتا آیا ہے جس سے اسے بڑی محبت ہوتی ہے۔ تم بھی یہی سمجھو۔ پرانے درخت، پرانے محل گر چکے اب نئی تعمیر کا زمانہ آئے گا۔"

"بابا۔ چپ ہو جاؤ۔ میں تو خود کو سڑک کے کنارے کھڑے بھیک مانگتے دیکھ رہی ہوں۔"

"خدا نہ کرے بیٹی خدا نہ کرے۔" بوڑھا لرز گیا "نہیں میں اب کچھ نہیں کرتا۔ لیکن اتنا سن لو کہ ابھی میں زندہ ہوں۔ کیا تم میری گود میں کھیل کر میرے کندھوں پر چڑھ کر بڑی نہیں ہوئیں۔ ابھی مجھ میں اتنا دم ہے کہ میں مٹھی بھر چنے تمھیں کھلا سکوں۔ پہلے مجھ پر آنچ آئے گی پھر تم پر۔ بیٹی یوں بدحواس ہو کر مت سوچو۔ دل و دماغ کو مضبوط کرو، حوصلہ سنبھالو۔ ہزار تدبیریں سمجھ میں آئیں گی۔ تم ماشاء اللہ دور تک پڑھی لکھی ہو۔ تمھیں مجھ سے زیادہ حوصلہ مند ہونا چاہیئے۔ پرکھوں کی یہ دولت تمھارے سر پر موجود ہے تم یہ کوٹھی فروخت کر دو۔ چھوٹا سا گھر لے لو۔ اس میں مدرسہ کھول لو تمھاری ایک جان۔ بہت کافی ہے۔ ابھی تمھارا غم نیا ہے۔ وقت ہر غم کا اندمال بن جاتا ہے۔ کچھ دنوں بعد تم خود سوچو گی کہ تم نے بدحال ہو کر کیسے کیسے برے خیالوں کو دماغ میں گھسنے کی جگہ دی تھی۔ یہ سچ ہے بیٹی کہ ماں باپ سب کے مر جاتے ہیں۔ اولاد ان کی وراثت ان کی امانت اور ان کی خواہشات کو سنبھالتی ان کا احترام کرتی

ہے۔ تم یوں تڑپ تڑپ کر رو رہی ہو۔ سچ بتاؤ۔ اگر اس وقت دلشاد بیگم

ہوتیں تو تمھارا رونا برداشت کر سکتیں؟"

نوشبہ کا دل تھم گیا اس نے بوڑھے کے سینے سے الگ ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔"

مگر وہ اب کہاں ہیں بابا؟"

"ان کا جسم فانی تھا۔ مٹی میں مل گیا۔ لیکن روح کو کوئی

دفن نہیں کر سکتا۔۔ وہ اب بھی یہیں ہو گی۔ مرنے والوں کا تعلق

زندوں سے ٹوٹتا نہیں بیٹی۔ تمھارے آنسوؤں پر ان کی روح

تڑپ رہی ہو گی۔ کیا تم اپنی امی کی بے زبان روح کو بے چین کرنا

چاہتی ہو؟"

نہیں بابا۔ ہرگز نہیں۔

"تو پھر اٹھو۔ منہ ہاتھ دھو لو تین بجنے والے ہیں۔ تم صبح سے بھوکی ہو۔

نزہت بی بی تمھارے لیے کھانا رکھ گئی ہیں۔ کچھ کھا لو۔ بھوک میں انسان کی

عقل خبط ہو جاتی ہے۔"

"بابا تم بھی تو رو رہے تھے!"

"اب کبھی نہیں روؤں گا بیٹی۔ تمھارے لیے۔ تمھاری خاطر۔ آؤ میری

بچی۔ میری بوڑھی آنکھوں کی روشنی۔ آؤ۔ کچھ کھا لو۔"

کیا یہ سب لوگ چلے گئے بابا۔

"نزہت بی بی کے بچے بہت رو رہے تھے۔ وہ مجبوراً گئیں اور سب باہر

موجود ہیں!"

"چلو بابا۔ ہم بھی چلیں!"

نوشبہ کو دالان میں دیکھ کر وہ سب چپ ہو گئے۔ عباس نے آگے بڑھ کر اس کا

ہاتھ تھاما اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

"نوشیبہ۔ آج سے تمہارا باپ تمہاری ماں میں ہوں۔ خدا کے لیے مجھے اپنا سمجھو۔ میری بات مان لو۔ یہاں تمہارا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو!"

نوشیبہ نے ایک نظر ہاشمی پر ڈالی۔ پھر عباس سے بولی۔

"آپ کا سہارا بڑا سہارا ہے۔ عباس بھائی میں باجی کے پاس چلی آؤں گی مگر کچھ دنوں کے لیے مجھے یہیں رہنے دیجیے۔"

"یہاں تم پھر دواس کھو دو گی۔ نوشیبہ!"

"نہیں بھائی صاحب۔ میں نے دل کو سنبھال لیا۔ قضا و قدر کے فیصلوں کے خلاف آنسو بہانا حماقت ہے۔ میں تنہائی میں سوچوں گی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

"تمہیں کیا کرنا ہے" عباس نے کہا۔ "یہ تم مت سوچو مجھے سوچنے دو۔ تم میں اور میرے بچوں میں فرق کیا ہے ان میں گھل مل جاؤ۔ خدا تمہارا غم ہلکا کر دے گا!"

"بہت سے غم ہیں۔ بھائی صاحب۔ وہ مرتے دم تک ہلکے نہیں ہوں گے۔ ان سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا" نوشیبہ نے کہا "آپ اپنا آرام خراب کر رہے ہیں۔ جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا ہے۔ میں اس کا کون سی زبان سے شکریہ —— !"

عباس نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

کچھ دیر ٹھہر کر وہ بزرگ واپسی کے لیے مڑے۔ تب اچانک نوشیبہ نے کہا۔

"ہاشمی صاحب... آپ ذرا منٹ ٹھہر جائیے۔"

ہاشمی کا دل حلق میں آگیا۔

نوشیہ اندر گئی لمحہ بھر بعد واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں زردی مائل سفید لفافہ تھا۔ وہ اس نے ان کی طرف بڑھا دیا۔

آپ کا بہت بہت شکریہ۔" اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ کی سی تیزی تھی۔" آپ نے میری مدد فرمائی تھی لیکن میں اس کی اہل نہیں۔"

ہاشمی دم بخود تھے۔ ان کا ہاتھ آگے نہیں بڑھا۔ تب نوشیہ نے پاس پڑے تسمے پر لفافہ پھینک دیا اور کمرے میں چلی گئی۔

عباس نے لفافہ اٹھایا۔ کھولا اور حیران رہ گئے۔

ہاشمی پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ بمشکل تمام وہ بولے۔

"معلوم نہیں۔ انھیں کیا غلط فہمی ہوئی ہے۔ خیر آیئے چلیں۔"

بوڑھا نبی بخش جب بارہ سال کا لاوارث لڑکا تھا تب آفتاب احمد کے والد کے پاس دو روپیہ مہینہ اور کھانے پر نوکر ہوا تھا۔ بڑی سرکار تھی۔ بڑا کارخانہ تھا۔ درجنوں ملازم تھے لیکن نواب افضل نے اسے ہمیشہ دوسروں پر فوقیت دی۔ وہ بہت ایماندار تھا۔ سرکار کی خاص پیشی میں رہتا تھا۔ جوانی میں وہ آفتاب احمد کا منیجر بنا۔ اس کی تنخواہ بڑھا دی گئی لیکن اس نے اپنی ساری تنخواہ بڑی بیگم کے پاس جمع کرا دی۔ اسے تو دو وقت کی روٹی ایک تن کے کپڑوں سے سروکار تھا۔ اتفاقاً آفتاب احمد کی والدہ کا حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ کسی کو پتہ نہیں تھا کہ نبی بخش کی کتنی تنخواہ ان کے پاس تھی۔ افضل نواب نے اسے ایک معقول رقم دینی چاہی تھی لیکن اس نے نہیں لی۔

نواب صاحب کے بعد وہ آفتاب احمد کے پاس آگیا۔ وہ اس سے برابری کا سلوک کرتے تھے۔ اس نے بھی بہت اچھے دن دیکھے تھے۔ اس نے عروج میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ زوال میں کیوں نہ دیتا۔ کوئی تو زنجیر تھی جو نبی بخش کے قدموں سے لپٹی تھی۔ اس نے یہیں دو شادیاں کیں۔ اس کے گیارہ بچے بھی ہوئے۔ لیکن آج وہ تیرہ عدد چھوٹی بڑی قبروں کو دیکھ کر آہ سرد بھر سکتا تھا۔ اس کا کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلا تھا۔ بوڑھا پچھتر برس کا نحیف جسم۔ دل و دماغ متعدد اموات کے زخموں سے چکنا چور۔ مگر وہ جینا چاہتا تھا اپنی دلھن بیگم کی بے سہارا بچی کے لیے۔!

وہ جی رہا تھا۔ لیکن اندر اندر اس کا جگر پھنک رہا تھا۔ بظاہر اس نے نوشبہ کو بڑی بڑی تسلیاں دی تھیں۔ اسے زبانی سہارا دیا تھا۔ لیکن وہ دل ہی دل میں لرز رہا تھا۔ یہ کوٹھی جسے اس نے بیچنے کی رائے دی تھی۔ وہ مہاجن کے پاس اس شرط کے ساتھ رہن تھی کہ جب تک اس کے مالک زندہ رہیں اس کے عارضی مالک رہ سکتے ہیں! ان کے مرنے کے بعد مہاجن کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے آکر قبضہ کرلے!!۔

آفتاب احمد کے انتقال پر مہاجن پرسہ دینے آیا تھا۔

اس سے یہ خبر کہاں پوشیدہ رہے گی کہ ان کی بیگم نے انتقال کیا۔ شرط کی رو سے مالکان کی اولاد کا حق کوٹھی پر نہیں تھا۔ یہ رعایت ضرور تھی کہ اگر موجودہ مالک چاہے تو رہن کی پوری رقم مع سود ادا کرکے کوٹھی پر اپنا قبضہ برقرار رکھ سکتا تھا۔

نبی بخش کو علم تھا کہ بہت پہلے کوٹھی پندرہ ہزار میں رہن رکھی گئی تھی۔ ساری لکھا پڑھی اس کے سامنے ہوئی تھی۔ وہی تو مہاجن وٹھل داس کو لایا تھا

وہی تو آفتاب احمد کی زندگی میں ہر ماہ سود کی رقم مہاجن کو دینے جاتا تھا۔ اور ان کے بعد سے اب تک کوئی رقم سود کی ادا نہیں کی گئی تھی۔۔۔۔ نبی بخش کا اندازہ تھا کہ رہن اور سود کی رقم ملا کر پچیس ہزار ضرور ہوئے ہوں گے۔ رقم بہت بڑی تھی۔ اس کے پاس تو پچیس روپئے بھی نہیں تھے۔

اس نے نوشیہ کو بہلاوا دے دیا تھا اور خود بے تاب و بے خواب بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ دور دور تک کوئی اپنا نظر نہیں آرہا تھا۔ کہیں کوئی سہارا نہیں تھا۔

نوشیہ کو پتہ لگے گا تو وہ کیا کرے گی۔ کمزور بے وسیلہ مجبور لڑکی ہے۔ کہیں وہ گھبرا کر کوئی غلط قدم نہ اٹھائے۔

صبح ہوتے ہوتے نوشیہ کا گھر پھر لوگوں سے بھر گیا۔ نزہت ان کے بچے عباس تو آئے ہی تھے ہمسائے کی چند غیر مسلم خواتین۔ اور نوشیہ کی سہیلی ورشا بھی۔ ان میں شامل تھیں۔ ورشا تو بیگم صاحبہ کی خیریت پوچھنے آئی تھی۔ اسے پتہ چلا کہ وہ ختم ہو چکیں۔ سکتے میں رہ گئی۔

نزہت سب میں پیش پیش تھیں۔ خواتین سے وہی گفتگو کر رہی تھیں۔

انھیں دیکھ کر نبی بخش کو سکون سا محسوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ یقیناً نزہت اس کی مدد کر سکتی ہیں!۔

نزہت نے اسے ناشتہ دیا اور وہ گھنٹہ بھر کی مہلت لے کر کسی سے کچھے بغیر مہاجن سے ملنے چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ مہاجن بیگم صاحبہ کے مرنے کی خبر سن کر متاسف ہوگا۔ اور یہ سوچے گا کہ اب ان کی لڑکی

بے سہارا رہ گئی ہے۔ لیکن نبی بخش کے اندازے کے خلاف مہاجن نے بڑی

لاپرواہی سے ان کے مرنے کی خبر سنی اور پُر نفرت لہجے میں بولا۔

وہ کب تک زندہ رہتیں۔ ڈھیروں تو خون اگلتی تھیں۔ ارے یہ دونوں

میاں بیوی بڑے سرے کے احمق اور اندھے تھے۔ انھوں نے لاکھوں کی جائیداد

کوڑیوں کے مول لٹادی۔ اس آدمی نے جوا کھیلا تھا۔ گھوڑے دوڑائے تھے۔

دوستوں پر مرتا رہا تھا۔ ارے حماقت تھی حماقت۔ اب کون اس کے کام آیا۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ اس کا کفن دفن بھی چندے سے ہوا ہوگا۔"

ان کی کیا برائیاں کرتے ہو بھیا۔ وہ گئے اب، وہ جانیں خدا جانے"

نبی بخش سے اپنے آقا کی برائیاں سنی نہ گئیں" تم اس بات کا جواب دو۔

جو میں نے کہی ہے!"

کیا سچ مچ بیگم صاحبہ نے کچھ جمع جوڑ کر نہیں رکھا؟۔

کیا رکھتیں۔ ان کی بچی کے زیور بھی تو میں ہی تمھارے ہاتھ بیچ گیا تھا۔

رام رام" مہاجن نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے" تو یہ بیگم صاحب ہی اپنے خاوند

کی سی تھیں۔ بچی سامنے تھی۔ اور وہ اس کا خیال کیے بغیر دولت کوڑے پر

پھینکتے رہے!؟۔

تمھیں بچی سے اتنی ہی محبت ہو تو بھیا۔ ابھی کچھ دنوں تک اس کے سر پر اسکے

باپ کی چھت سلامت رہنے دو۔ سوچو کہ وہ معصوم لڑکی گھر سے نکل کر کہاں

جائے گی" نبی بخش نے ٹوٹے پھوٹے دانت نکال کر خوشامد کی" میں تم سے

وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد روپئے کا بندوبست کر دوں گا۔"

ارے تو تم ہی نے کون سی گرہ میں چھپا رکھی ہے" وہ ہنسا" معلوم ہے تمھارے

مالک پر میرا کتنا پیسہ باقی ہے۔

میں کیا جانوں؟"

مہاجن نے اپنی بدبودار پوتھی دیکھی اور اپنی عینک میں سے نظریں پھیلا کر نبی بخش کو گھورتا ہوا بولا "پورے ستائیس ہزار — سنا تم نے"

"ستائیس ہزار؟" نبی بخش سناٹے میں رہ گیا۔

"اب بولو" مہاجن نے پوتھی اندر کمرے میں اچھال دی۔

"کوٹھی نیلام کرا دو۔ بھیا!" نبی بخش نے آخری سہارا لیا "جو خرچ لگے۔ وہ نکال کر اپنی رقم گن لینا۔ باقی جو رہے گا وہ بٹیا کے کام بھی آئے گا!"

"یہ تم جانو۔ تمھارا کام جانے" اس نے طوطے کے سے دیدے پھیر لیے "میں صبح سے شام تک دوکان سنبھالتا ہوں۔ نیلام کے جھنجھٹ میں کون پڑتا ہے۔ ! تمھارے کہنے سے ایک مہینے کی رعایت دیتا ہوں۔ آج تنخواہوں کے مہینے کی سترہ ہے۔ اگلے مہینے اسی تاریخ کو میرا گھر یا پورا روپیہ مل جانا چاہیئے — اب تم جاؤ!"

کہتے ہیں کہ جو مصیبت دوسرے روز آنے والی ہوتی ہے، اس سے نپٹنے کے لیے درمیان میں بارہ گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ یہ تو مہینے بھر کی مہلت تھی۔ نبی بخش کو کچھ ڈھارس بندھی۔ ہو سکتا ہے اس عرصہ میں کچھ کام ہو جائے۔ وہ مایوس و ناکام واپس آیا۔

کوٹھی اب خالی تھی صحن میں نوشیہ اور ورشا بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

ورشا کہہ رہی تھی "میری بات مان لو۔ نوشیہ۔ اس میں کیا قباحت ہے۔ میرے یہاں کون سے ایسے مرد ہیں۔ چھوٹا بھائی صرف دس سال کا ہے۔ بڑے بھیا ہمارے یہاں رہتے نہیں ہیں۔ گھر میں بس اور ممی ہی تو ہیں۔ انھوں نے جب سے سنا ہے۔ بے چین ہیں۔ مجھے خیریت معلوم کرنے کو بھیجا تھا۔ میں ان سے کیسے کہوں گی کہ تمھاری امی ختم ہو گئیں۔

میں تمھارے یہاں ضرور چلیتی۔ ورشا!" نوشیہ کا دل اب مضبوط ہو گیا تھا۔
اسکے چہرے سے اب عزم و استقلال ٹپک رہا تھا حزن و ملال نہیں۔ مضبوط لہجے میں
بولی "تم یہ تو سوچو کہ میں جب بھی تمھارے یہاں سے واپس آؤں گی پھر یہی گھر ہوگا
یہی ماحول ہوگا۔ کب تک اور کہاں تک میں فرار حاصل کرتی پھروں گی۔ مجھے
اسی غمناک ماحول سے مانوس ہونے دو۔ ابھی تو امی کے بہت سے ناتے باقی
ہیں سب نا؟"

اس طرف میرا دھیان نہیں گیا تھا!" ورشا بے بسی سے بولی۔ وہ نوشیہ
کی ہم عمر تھی۔ بہت شروع کی کلاسوں سے ان کی سہیلی چلی آرہی تھی نوشیہ
نے بی۔ اے کے بعد تعلیم ترک کردی لیکن ورشا نے ایم۔ اے جوائین کرلیا۔ بڑی
مخلص پر محبت اور جذباتی لڑکی تھی۔ کسی قسم کے تعصب کا اس کے خیالوں میں
گذر نہیں تھا۔ وہ نوشیہ کے یہاں کھاتی پیتی تھی اور نوشیہ جب اس کے
یہاں جاتی اس کی ممی بھی نوشیہ کی خاطر مدارات میں کوتاہی نہ کرتیں!۔
جاتے جاتے ورشا نے کہا "ایک بات کہوں۔ اگر بُرا نہ مانو"
آج تک تو ایسا ہوا نہیں ہے"
نوشی۔ میں نے سال بھر کا جیب خرچ اکٹھا کرلیا تھا۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت
ہی نہیں پڑتی۔ بڑے بھیا فیس دیتے ہیں۔ کپڑے بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا میرا جیب خرچ
تم۔ لے لو۔ بُرا نہ ماننا۔ تم میں الگ الگ نہیں۔ جب تمھارے پاس ہوں تو تم
مجھے واپس کردینا"
نوشیہ کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اس کے سامنے زندگی کی لامحدود
ضرورتیں منھ پھاڑے کھڑی تھیں۔ کھانے پینے کی ضروری چیزیں۔ سود اسلف
کے لئے رقم۔ بجلی، پانی، دھوبی کے بل۔ اور پتہ نہیں کیا کچھ۔۔! پل بھر کے لیے

اس نے سوچا کہ وہ ورشا کی پیش کش قبول کرے۔ لیکن پھر اسے خیال آیا۔ امارت و غربت برسات کی دھوپ ہے۔ ابھی ہے ابھی نہیں۔ لیکن اس کی آن اور عزت، ڈھلتی پھرتی چھاؤں نہیں۔ یہ جاڑوں کی چاندنی گرمیوں کی دھوپ ہے۔ مستقل، دیرپا۔ اس نے بڑی ہمت سے مسکرا کر ورشا کو دیکھا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"تمھاری محبت کا بہت بہت شکریہ۔ ورشا! مگر ابھی میرے پاس کچھ رقم ہے۔ تم سے چھپانا کیا۔ جب ضرورت ہوگی۔ لے لوں گی۔"

غیریت نہ کرنا۔

نہیں نہیں!

نبی بخش نے چپکے سے کہا "بی بی۔ وہ اپنے پڑوس والے ہاشمی صاحب اور انکے دوست آئے ہیں۔

کیا؟" نوشیہ نے تعجب سے پوچھا۔

پرسہ دینے آئے ہوں گے" ورشا نے کہا۔

"پرسہ دینا۔ جمے ہوئے کھرنڈ کو اکھاڑنا ہے۔ جو غم انسان بھولنے لگتا ہے۔ اسے یہ پرسہ دینے والے ہرا کر دیتے ہیں۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں" بابا۔ ان سے کہہ دو۔ میں سو رہی ہوں۔ اچھا ورشا تم پھر کب آؤ گی۔

روز شام کو یونیورسٹی سے واپسی پر چلی آؤں گی۔ اچھا نوشیہ۔ نمستے!۔ خدا حافظ۔

نبی بخش ہاشمی سے کہہ رہا تھا "ہاں میاں وہ بہت دنوں کی تھکی ہوئی تھی۔ سو رہی ہے!"

ورشا ان دونوں کو دیکھ کر کچھ ٹھٹھکی ایک بامعنی خیز نظر نبی بخش پر ڈالی اور تیز

تیز قدموں سے چلی گئی نبی بخش بے بسی سے ہاشمی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر صاف جھوٹ تحریر تھا۔ کمار نے کہا۔

"بڑے میاں۔ آپ کیوں خواہ مخواہ غلط بات کہنے کے گناہ گار بنتے ہیں۔ کہہ دیجیے۔ وہ ملنا نہیں چاہتیں۔ ہم اصرار تو نہیں کرتے!"

ہاشمی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ۔ کھسیاہٹ اور خجالت کے آثار منجمد تھے۔ انھوں نے کمار سے کہا۔ "غلطی میری ہی تھی۔ مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ وہ اکیلے میں مجھ سے نہیں ملے گی۔ اچھا بابا اب میں جاتا ہوں۔"

نبی بخش کا بوڑھا سیدھا سادا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ ہاشمی اس پر چھائی ہوئی مصیبت کو دور کر سکتے ہیں۔ اسے بی بی نوشبہ کے غیر اخلاقی سلوک پر حیرت تھی۔ آخر ان سے ملنے میں کیا حرج تھا۔ لوگ تعزیت کے لیے آتے ہی جاتے رہتے ہیں۔ اس طرح پڑوسیوں کو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا عقلمندی تو نہیں تھی اسے معلوم تھا کہ عباس نے کیسی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا تھا۔ مسلسل چھ مہینے تک مفت بیگم صاحبہ کا علاج کرتے رہے تھے۔ دوائیں۔ ٹانک، انجکشن اور پھل دودھ وغیرہ کے ڈھیروں مصارف خود برداشت کیے تھے۔ ان کے اعلیٰ اخلاق کے جواب میں ان کے کسی عزیز سے ایسے بے رخی مناسب نہیں تھی!

وہ گھگھیایا۔ "ناراض نہ ہو۔ میاں۔ بٹیا اپنے حواسوں میں نہیں ہیں نہیں جانتیں کہ کیا کر رہی ہیں۔ اللہ کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ انھیں مظلوم سمجھ کر معاف کر دو۔ تم آؤ کمرے میں بیٹھو۔ میں چائے لاتا ہوں!"

"نہیں۔ بابا اب تو اجازت ہی دیجیے" ہاشمی نے کہا۔

"کچھ تم سے کہنا تھا میاں" انھیں واپسی کے لیے مڑتے دیکھ کر بوڑھا بیقرار ہو کے بولا۔

"یہاں نہیں۔ بی بی سن لیں گی!۔" نبی بخش کے منھ سے نکل گیا۔

"تو وہ سو نہیں رہی ہیں!" کمار نے جھٹ سے کہا۔

"نہیں" بوڑھا بے بسی سے بولا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" ہاشمی نے بیزار ہو کر پوچھا۔

"میں تم سے کب ملوں؟" نبی بخش نے کہا۔

"صبح دس بجے سے پہلے۔ شام کو آٹھ بجے کے بعد۔"

"پھر میں شام کے بعد آؤں گا!۔"

"اچھا!"

انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اندر چلا گیا۔

"وہ گئے بابا؟" نوشیرہ صحن ہی میں بیٹھی تھی۔

"بیٹی مل لیتیں تو کیا حرج تھا۔"

"نہ بابا۔ لوگ میری بے کسی مجبوری اور اکیلے پن سے لطف اندوز ہونے کے لیے آجاتے ہیں۔" نوشیرہ نے سرد آواز میں کہا۔ "کسی کو مجھ سے محبت یا ہمدردی نہیں۔ لوگ یہ تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ کوئی وسیلہ نہیں ہے تو میں کس طرح زندگی گزار رہی ہوں۔ میری آنکھوں میں کس طرح آنسو بھر آئے ہیں۔ میں کس کے سامنے ہاتھ پھیلا رہی ہوں۔ کس کی مدد مانگ رہی ہوں۔!"

نبی بخش ہچکچاتا اسے تکتا رہ گیا۔

"لیکن میں کسی کی مدد نہیں چاہتی!" وہ غصے اور جوش میں بولتی چلی گئی۔ "ورشا یہ مجھے بھیک سا دے رہی تھی۔ ہاشمی صاحب میری کس مپرسی پر ترس کھا کر تم میرے

منہ پر پھینک گئے تھے۔ ان کے خیال میں میں ایسی ہی گری پڑی تھی؟۔ بابا۔ اگر چاند پر تھوڑی دیر کے لیے گہن لگ جائے تو چاند کی آب و تاب میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گہن پھر چھوٹ سکتا ہے۔ لیکن عزت اگر اتر جاتی ہے تو پھر ہاتھ نہیں آتی۔"

"وقت پر کوئی مدد کردے تو پھر اس کی مدد لو تائی بھی تو جا سکتی ہے" بوڑھے نے دبی زبان سے کہا۔ "تم تو جانتی ہی ہو بچی۔ پڑوسیوں کا بڑا مرتبہ حدیث میں آیا ہے۔"

"حدیث نے بھیک لینے سے منع کبھی کیا ہے۔ بابا تم مجھ سے بحث مت کرو۔" نوشیہ جھلا گئی۔"

تمام پڑوسیوں اور ہمدردوں سے الگ ہٹ کر سوچو کہ تمھیں اور مجھے جینے کا کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے!

نبی بخش کے دل پر پھر پتھر گرنے لگے۔ وہ بس سوچتا رہ گیا۔

اس حویلی میں موت کے سائے رقص کر رہے ہیں۔ مجھے ہر وقت مرحوم لوگوں کی صورتیں نظر آتی رہتی ہیں۔ کچھ بند و بست کرو کہ حویلی بک جائے۔

اپنے محلّے میں ایسا مالدار کون ہے جو یہ گھر خریدے گا۔

تو پھر نیلام کرادو اسے۔ اب مجھے ایک منٹ یہاں رہنا گوارہ نہیں!۔

بیٹی یہ کام اتنی جلدی نہیں ہو سکتا!۔ کچھ وقت ضرور لگے گا۔"

"ہاں بابا۔ اتنی عقل مجھے بھی ہے۔ اسے خریدنے کے لیے آسمان سے فرشتے نہیں اتریں گے۔ بہرحال ہفتہ دو ہفتہ کی مہلت تو ہے۔" نوشیہ نے کہا اور اٹھ کر پڑلی دالانوں کی طرف چلی گئی۔

نبی بخش تیزی سے سوچ رہا تھا اب اس کا اگلا قدم کیا ہونا!

چاہیئے۔ نوشیہ کو وہ محض بچی سمجھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ عباس سے ملنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ بڑے ہمدرد ثابت ہوتے رہے تھے۔ یقیناً مفید مشورہ دے سکتے تھے!۔

بوڑھا صحن سے کچن میں آیا۔ یہاں ہر طرف خاک اڑ رہی تھی۔ نہ مٹھی بھر چاول نہ چٹکی بھر آٹا۔ صبح کو نزہت نے ناشتے کا بندوبست کیا تھا۔ اب دوپہر اور رات کے کھانے کا سوال مگرمچھ کا سا بھیانک منھ پھاڑے کھڑا تھا!

بے چارہ اپنے کمرے میں آیا۔ ٹین کی صندوقچی اِدھر اُدھر سے ٹٹولی۔ شاید کہیں ایک آدھ روپیہ اس نے سگریٹ کے لیے بچا کر رکھا ہو۔ لیکن اسے نہایت مایوسی ہوئی۔ صندوقچی کبھی بندے کے پیٹ کی طرح خالی تھی!۔

وہ سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ کسی سے ادھار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ بہت سے دوکاندار جو عرصے سے اس کے شناسا تھے وہ بے تکلف ادھار دے دیتے!۔ مگر ہوتا کیا نہ کرتا۔ وہ باہر نکلا اور اپنے ایک دوست دکاندار سے پانچ روپیہ کا سودا قرض لے کر گھر واپس آیا۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آج کا انتظام اس طرح ہو گیا۔ کل کیا ہو گا۔ اس رقم کے بارے میں وہ نوشیہ سے کہہ سکتا تھا کہ اس نے اپنے پاس سے سودا خریدا ہے!۔

نوشیہ اپنی فکروں میں غرق تھی۔ کبھی ڈوبتی کبھی ابھرتی۔ کبھی سنہرے دن اپنی جھلک دکھاتے۔ کبھی مایوسیوں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے!

ہاشمی کی عجیب حالت تھی۔ گوناگوں جذبات نے ان پر ایک ساتھ حملہ کیا تھا۔ اپنے ہمسائے میں نوشیہ کو دیکھ کر انھیں بہت مسرت ہوئی تھی۔ وہ اسے بچپن سے جانتے تھے۔ تب بھی وہ بڑی پر وقار ہوا کرتی تھی۔ ان کے باغ میں بہت سے بچے اکٹھا ہو کر دن بھر اودھم مچایا کرتے۔ لیکن وہ کبھی اس غول بیاباں میں شامل نہیں دکھائی دی۔

لیکن وہ تب اتنی چڑچڑی، اور غیر مہذب تو نہیں تھی۔ اسے بیدھے منھ بولنا گوارہ نہیں تھا۔

ہاشمی نے بجھتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سلگایا اور صوفہ پر نیم دراز ہو کر سوچنے لگے۔

ایسی توہین شائد زندگی بھر نہیں ہوئی تھی۔ جب نزہت نے انھیں قہر آلود نظروں سے گھورا تھا۔ عباس نے بھی دبی زبان سے کہہ دیا تھا۔ ان سے یہ کیا حماقت سرزد ہوئی۔ وہ شرمندہ بھی بہت تھے۔ بعض وقت کسی کے ساتھ ہمدردی اپنے ساتھ بیدردی ہو جاتی ہے!۔

میز پر کافی پڑے پڑے برف ہو چکی تھی!۔

پھر ملازم آیا اور ان پر تعجب کی ایک نظر ڈال کر پیالی اٹھائے گیا۔

دس منٹ بعد نزہت کمرے میں آئیں۔ ہاشمی نے سگریٹ ایش ٹرے میں ڈال دیا اور اٹھ بیٹھے۔

تم آج بھی باہر نہیں نکلے۔ کیا سوچا کرتے ہو۔!" نزہت نے گلدان سے

باسی پھول نکالے اور دریچے سے جھک کر مالی کو آواز دی۔

"اچھے پھول ہوں تو دے جاؤ!"

ہاشمی بے معنی نگاہوں سے نزہت کو تکنے لگے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ باجی۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔" انھوں نے کہا۔ اور ایک دبی ہوئی سانس لے کر باہر دیکھنے لگے۔

"میری بات مانو تو یہ حالت نہ ہو۔ آدمی کا دل، ایک ٹھکانے نہ ہو تو کوئی کام نہیں بنتا۔ ملازمت تم سے ہو گی نہیں۔ ٹھیکے دار صاحب کے نام پر تم کانوں پر ہاتھ رکھتے ہو۔ ذاتی بزنس کا تمھیں تجربہ نہیں ہے۔ آخر تم کرو گے کیا۔ مجھے بتاؤ۔"

وہ خاموش رہے۔

نزہت ان کے پاس آبیٹھیں۔

"ہاشمی سنو۔ میں نے کبھی تمھارا برا نہیں چاہا۔ کون بہن اپنے بھائی کو تباہ دیکھنا پسند کرے گی۔ میرا مشورہ تو یہی ہے۔ تم میری مرضی کے مطابق حامی بھر دو۔ شادی کے بعد بکھری ہوئی زندگی کی شیرازہ بندی ہو جاتی ہے انسان کے دل میں کچھ نہ کچھ کرنے کی امنگ جاگتی ہے۔ ایک سے دو بھلے۔ یہ تنہائی اور وحشت تب نہ رہے گی تم محسوس کرو گے کہ اب تک جو خلا تمھاری زندگی میں تھا وہ پر ہو چکا!"

باجی ایک بات کہوں۔ اگر آپ برا نہ ماننے کا وعدہ کیجیے۔"

"میں برا نہیں مانوں گی۔"

آپ کے نظریے کے مطابق شادی صرف دو آدمیوں کی جسمانی یکجائی ہے یا شادی کا کوئی اور بھی تصور ہے۔ آپ کی نظروں میں۔؟"

اے لو۔ اس کا کیا مطلب ہوا " وہ کچھ شرمائیں کچھ جھنجھلا گئیں "اور کونسا نظریہ ہوگا میرا۔؟

" میرا مطلب ہے شادی بس ایک لڑکی سے کر ہی لینی چاہیئے۔ یا یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ جس سے شادی ہو رہی ہے وہ بھی پسندیدہ ہے۔ ہم خیال ہے۔ ہمدرد ہے۔ مخلص ہے یا بس۔ آنکھ بند کی اور قاضی صاحب کے سامنے کہہ دیا کہ جناب قبول کیا میں نے۔ بعد کو چاہے یہ معلوم ہو کہ ہم نے جہنم قبول کیا ہے!"

عجیب باتیں کر رہے ہو۔

" بالکل عجیب باتیں نہیں کر رہا ہوں۔ آپ سے مشورہ طلب کر رہا ہوں۔ جن ٹھیکے دار صاحب قبلہ کے آپ گن گاتی ہیں۔ عباس بھائی نے ان کی تعریف!"

"عباس بھائی کی بھلی چلائی۔ ارے وہ تو ــــــ!"

" ہائیں ہائیں۔ اتنی صفائی سے آپ نے عباس بھائی کا نام لے لیا۔ بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں کہ میاں کا نام لینے سے نکاح چٹ سے ٹوٹ جاتا ہے!"

وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تمہارا دل برا کر دیں " نزہت تڑپ اٹھیں۔

" وہ تو میرے دشمن نہیں ہیں نا؟ ۔ پھر آخر۔ یہ کیوں چاہتے ہیں؟"

" میں کیا جانوں۔ انھوں نے ٹھیکے دار صاحب کو میری چڑھ بنا لیا ہے " ایکی وہ یگر ڈین۔

" آپ ہی بتایئے۔ جن موصوف کی انھوں نے ایسے زوردار لہجے میں تعریف کی تھی۔ ان کی صاحبزادی محترمہ کیسی ہوں گی۔ اگر ماشاء اللہ ان کی ناک بھی روشندان ہوئی تو کیا میں بھی ان کی ناک سے سانس لوں گا "

کور بی بکواس " نزہت نے ان کے بازو پر تھپڑ رسید کر کے کہا " ابھی چھپلی

مرتبہ رجب کے کونڈوں کے موقعہ پر میں نے لڑکی کو دیکھا تھا کیا بتاؤں۔
کیسی پیاری لگ رہی تھی۔ سفید ساڑی بلاؤز میں یوں لگ رہی تھی
جیسے سنگ مرمر کی مورتی۔"

سنگ مرمر کی دلکش مورتی تو وہ بھی لگ رہی تھی۔ ہاشمی کے خیالات پھر
بھٹکنے لگے۔ سرخ آنکھیں متورم پلکوں اور لرزتے ہوئے ہونٹوں نے اسے کیا سے
کیا بنا دیا تھا۔ اس کی تصویر لوحِ دل پر مرتسم ہے۔ اس جگہ اتنی گنجائش نہیں
کہ دوسری تصویر آویزاں کی جائے۔

"پھر کہیں چلے گئے!" نزہت نے پوچھا۔

"اچھا باجی۔ ابھی تو مجھے سوچنے دیجئے" وہ بیزار لہجے میں بولے۔

نزہت نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا "ایک بات پوچھوں؟"

"بڑے شوق سے!"

"تم اتنے دنوں بعد آئے ہو۔ ایسا تو نہیں ہے کہ کہیں وہاں کسی لڑکی سے
نگوڑی محبت کر لی ہو"

ہاشمی نے کھوکھلا قہقہہ لگایا "مجھے کہاں پتہ تھا کہ آپ اتنی فراخدلی سے
ایسی بہو کا استقبال کر سکیں گی۔ ورنہ میں کوشش ضرور کرتا!"

"سچ کہتی ہوں۔ جو لوگ کسی سے محبت کرتے ہیں ان کا چہرہ خود چغلی
کھانے لگتا ہے"

"کیا؟" ہاشمی نے حیرت سے پوچھا۔

"بہکی بہکی گفتگو۔ گم صم انداز۔ ہر وقت کسی سوچ میں گم رہنا۔ یہ سب
علامتیں محبت کی نہیں تو پھر کیا ہے؟"

"آپ کا اندازہ صحیح نہیں ہے باجی۔"

"تو پھر خدا کے فضل سے ہر قسم کا آرام تمھیں میسر ہے۔ اس کے باوجود ہر وقت کسی فکر میں ڈوبے رہتے ہو!؟"

"میں سوچتا رہتا ہوں باجی" دنیا کی بے ثباتی کے باوجود لوگوں کی دنیا سے اتنی دلچسپی، اونچ نیچ کے چکر۔ عروج و زوال کے تماشے۔ امارت و غربت کا منحوس ترین فلسفہ۔ دولت مندوں کی شیطنت، غریبوں کے روح فرسا حالات۔ سوچنے بیٹھیے تو ہزاروں مسائل آپ کے سامنے ہیں۔"

"تمھارے ایک آدمی کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟"

"ایک آدمی کے سوچنے سے اگر ایک ہی آدمی کا بھلا ہو جائے تو یہ سوچ بیکار و رائیگاں نہیں ہے باجی!"

کون ہے وہ آدمی؟۔

"آفتاب احمد صاحب ہی کو لیجیے۔ وہ اور ان کی بیگم خاک کا پیوند ہو چکے اب کہاں دیکھتے ہیں کہ ان کے پس ماندگان پر کیا گزر رہی ہے؟"

"ناعاقبت اندیش لوگ تھے۔ لاکھوں کی جائداد ہاتھوں سے گنوا دی۔ روز بڑے بڑے افسروں کے جمگھٹے لگتے تھے۔ شامیانے لگائے جاتے تھے دیگیں کھنکتی تھیں۔ کہیں کوئی شادی ہوتی۔ کوئی باہر جاتا۔ آفتاب صاحب اپنے پاس سے مصارف دیتے۔ کوئی وہ قارون تو تھے نہیں۔ چادر سے باہر پاؤں پھیلائے۔ اس کا انجام کیا ہوتا۔"

ان کا کیا دھرا ان کی لڑکی کے آگے آیا ہے۔ انھوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ایک لڑکی ان کے آگے ہے اس کے لیے کچھ محفوظ کر دیتے!" ہاشمی نے کہا۔

خدا بخشے۔ خالہ اماں کیا کم تھیں۔ جس دن ان کے شوہر کے دوست باہر ہو حق مچاتے اسی دن ان کی پچاسوں سہیلیاں اندر پان چبا چبا کر قہقہے لگاتیں میں

تو ہمیشہ یہی تماشے دیکھا کی۔ انگشت بدنداں تھی..... ارے آفتاب احمد صاحب نے ایک لاکھ کی کوٹھی کھڑے کھڑے چالیس ہزار میں بیچ دی۔ اور اپنے ایرانی دوست کے ساتھ مغربی ممالک کے مناظر قدرت دیکھنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔"

واقعی؟

"ہاں۔ ان کی امارت کے یہی تو چوچلے تھے!"

اچھا باجی۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس لڑکی کا کیا حشر ہوگا؟۔

اس پر مجھے بہت ترس آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کسی طرح اپنے پاس لے آؤں۔ مگر وہ راضی ہو۔ تب نا؟۔

آپ نے کہا تھا اس سے!۔

ہزار بار ــ کہنے لگی۔ امی کے بدن سے فاتحے ہونے ہیں۔ پھر چلی آؤں گی؟۔

" زندوں کی گذر بسر کا ٹھکانہ نہیں۔ مردوں کے فاتحے کون سے ضروری ہیں!"

" دنیا کی ریت بن گئی ہے"

" آپ ایک بار پھر اصرار کریں۔ باجی"

روز ہی تو تین چار چکر لگاتی ہوں۔ تمھارے بھائی بھی کہتے ہیں۔ اس کی خبر گیری لینی ضروری ہے۔ لڑکی اپنے بدن کی آدھی بھی نہیں رہ گئی"

اس کی مدد کر دیجیے باجی۔ تو اب ہی کا تو کام ہے!"

تم نے دیکھا تھا اپنی مدد کا انجام ــ!

" مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ طریقہ غلط تھا۔ اس کی جگہ اگر میں ہوتا تب میں

بھی برا مان جاتا.... میں تو یہ سمجھتا کہ میرے افلاس کے منھ پر کسی نے طمانچہ مارا ہے۔"

مصیبت تو یہ ہے ہاشمی کہ وہ کسی کا احسان پسند نہیں کرتی۔ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے اگر اس نے مجھے کچھ کہہ دیا تو کونسی صورت رہ جائے گی۔"

"وہ آپ کو بہت چاہتی ہے باجی۔ کس طرح آپ کی آغوش میں گر کر بیہوش ہو گئی تھی۔ آپ اسے پیار سے آگا پیچھا سمجھائیں گی۔ وہ مان جائے گی!" ہاشمی کا لہجہ والہانہ تھا۔

"تو پھر آپ اس کے پاس کب جائیں گی؟"

"صبح کو گئی تھی۔ شام کو پھر جاؤں گی۔"

تھوڑی بہت رقم بھی لینی چاہیئے گا۔

"اچھا۔"

نزہت نے بالکل نہیں سوچا کہ ہاشمی کی ہمدردی خالی از علت نہیں ہے نوشیہ سے محبت تھی۔ اس کے حالات پر ان کا دل کڑھتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اتنی دور تک نہیں سوچ سکتی تھیں کہ اسے اپنی بھاوج بنا کر اپنے گھر لے آئیں۔ ہر دولت مند آدمی کی طرح وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ ان کے بھائی کی دلھن چاند سی ہو اور چاند کے دامن میں چھپا خزانہ بھی ساتھ لائے!۔

نزہت کے جانے کے بعد ہاشمی کو قدرے سکون محسوس ہوا۔ وہ ٹہلتے ہوئے باہر نکلے۔ اتوار کا دن تھا۔ عباس کے پاس دو تین دوست بیٹھے تھے۔ ہاشمی کو دیکھ کر عباس نے انھیں بلا لیا۔ وہ ہمیشہ بڑوں کی ہم نشینی سے کتراتے تھے۔ لیکن عباس کی طلبی پر جانا پڑا۔ کمرے میں چائے کی خوشبو اور اعلیٰ درجے کی سگریٹوں کی مہک چکراتی پھر رہی تھی۔ ایک کونے میں انھیں سکڑا سمٹا بیٹھا نبی بخش بھی نظر آیا۔

اسے سلام کر کے ہاشمی عباس کے پاس رکھی کرسی پر جا بیٹھے۔

ان میں رسمی باتیں ہوتی رہیں! قہقہے لگتے رہے۔

ایک صاحب ان میں فلموں کے شوقین تھے وہ جدید فلموں پر تبصرہ کرتے رہے دوسرے صاحب فلموں میں برہنگی کے پُرجوش مؤید تھے۔ ان کا خیال تھا کہ برہنہ تصویریں دیکھنے والوں کو زندگی کے قریب لے آتی ہیں اور زندگی کی تمام ڈھکی چھپی مصیبتوں سے بخوبی روشناس کرا دیتی ہیں۔ ہاشمی متحیر تھے۔ عباس سنجیدہ عمروں میں تھے۔ بیالیس سال سے شاید چار چھ مہینے اوپر ہی رہے ہوں گے۔ مانگ اور کنپٹیوں پر چاندی کے تار چمکنے لگے تھے۔ ان کے احباب بھی اسی سن و سال کے ہوں گے۔ ان عمروں میں ایسی شدید دلچسپی۔ وہ بھی پھر فلموں سے ہاشمی بے حد تعجب سے ان کی گفتگو سنتے رہے!۔

جب وہ حضرات آپے سے باہر ہونے لگے۔ تب ہاشمی اٹھ کر نبی بخش کے پاس جا بیٹھے۔!

"خیریت تو ہے۔ بڑے حضرت!" ہاشمی نے اس کے چہرے کا بغور معائنہ کیا اور یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکے کہ اسے کوئی نئی بے چینی لاحق ہے!۔

"اللہ کا شکر ہے۔ میاں" نبی بخش نے عباس پر ایک نظر ڈال کر کہا۔ "آپ عباس بھائی سے ملنے آئے ہیں!۔

"ہاں بیٹے۔ ملا کی دوڑ مسجد تک۔ پریشانی میں یہی راستہ نظر آتا ہے۔ سید ھا تم لوگوں کو سنانے چلا آتا ہوں"

"کہیئے۔ شاید میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں"

"بہت بڑی بات ہے۔ بیٹا۔ منھ سے نہیں نکلتی!۔

"نوشیہ تو اچھی ہیں؟" کچھ سوچ کر ہاشمی کا دل دھک دھک ہونے لگا۔

"غموں کے حوالے ہو کر رہ گئی ہے۔ میری ننھی ماڈرن۔"

"اللہ میں اتنی قدرت ہے کہ بابا شدید غموں کو شدید مسرتوں میں تبدیل کر دے گا۔" ہاشمی نے کہا۔ اور پھر انھوں نے سوچا کہ معجزوں کا دور گذر چکا۔ کیا ہوگا تو شیہ کا۔ کیا اسے غم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

اتنے میں عباس کے دوست میز کرسیاں سرکا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہاشمی کو بھی اٹھنا پڑا۔ انھیں رخصت کر کے عباس کمرے میں آئے، سگریٹ سلگایا اور سگریٹ کیس پر لائیٹر رکھ کر نبی بخش کو دیتے ہوئے بولے۔

"ہاں اب آپ کہئے۔ کیا معاملہ ہے۔ وہ سب لوگ آ گئے تھے۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ غیروں کے سامنے آپ سے گفتگو کرتا۔ لاحول ولا قوۃ۔ کوڑھ مغزوں نے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔ فلموں کے دیوانے۔ کوئی بات بھی تو شریفوں کی سی نہیں تھی۔"

"ارے یہ مسٹر حسن انصاری تو بہت سیریس آدمی معلوم ہوتے تھے۔" ہاشمی نے بے حد تعجب سے کہا۔ "ان کے منھ سے فلم شعلے کی تعریف سن کر میں تو حیران رہ گیا۔"

"دفع کرو۔" عباس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "ہاں آپ کہئے نبی بخش صاحب!"

وہ کچھ دیر ہاتھ ملتا رہا۔ پھر سر اٹھایا۔ چہرے پر عجیب سی خجالت اور بے بسی چھائی ہوئی تھی۔

بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"آپ کے پاس چلا تو آیا ہوں۔ عباس میاں۔ مگر اب کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔"

"بے تکلف کہیئے۔ کیا بات ہے؟" ہاشمی نے حوصلہ دیا۔

اور تب بوڑھے نے بڑی تفصیل سے ساری باتیں کہہ دیں۔ پھر آخر میں آنسو بہاتا ہوا بولا ۔" میری بھوک بند ہو گئی ہے ۔ راتوں کو ایک پل کے لئے بھی آنکھ نہیں جھپکی ۔ یہی سوچ سوچ کر ڈرتا رہتا ہوں کہ وقت مقررہ پر مہاجن نے سرکاری نوٹس کے ساتھ تخلیہ مکان کا حکم دے دیا تو میں جوان لڑکی کو لے کر کہاں جاؤں گا ۔ اس بے چاری کو تو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ اس کے باپ نے سر کی چھت بھی رہن رکھ دی لڑکی کو بے سہارا چھوڑ دیا ہے ! ۔ عین وقت پر پتہ چلے گا ۔ تب اس کا کیا حال ہو گا ! "

ہوں ! " عباس نے سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے پُر خیال آواز میں کہا ۔ ہاشمی بے چین امید سے ان کے چہرے کو دیکھ رہے تھے ! ۔

تم ڈاکٹر ہو ۔ میاں ۔ ایسا انجکشن مجھے دے دو کہ میں اس عذاب سے چھوٹ جاؤں " بوڑھا اب باقاعدہ رو رہا تھا ۔ " اپنا خون میں تمہیں معاف کرتا ہوں یہی تجویز میں بٹیا کے لیے بھی کرتا ۔ مگر وہ بچی ہے ۔ اس نے دنیا میں کیا دیکھا ہے ۔ میری نظروں میں دنیا اندھیر ہے "

یقیناً ہو گی ! " عباس نے کہا ۔ پھر سگریٹ پھینک کر سیدھے ہو بیٹھے " آپ کسی طرح مہاجن کو یہاں لے آئیے ۔ ہم اسے سمجھانے کی کوشش کریں گے ! "

" کبھی نہ مانے گا ۔ سود خور بڈھا ہے ۔ پائی پائی پر جان دیتا ہے ۔ آپ یہ کوشش کیجئے کہ گھر بک جائے ۔ اس طرح مہاجن کا منھ بھرنے کے بعد بھی بچی ہوئی رقم بٹیا کے کام آئے گی ! "

" وہ کوٹھی بہت وسیع ہے ۔ اتنی جلدی ممکن نہیں کہ اس کا خریدار مل سکے "

عباس نے کہا " آپ مہاجن کو میرے پاس لے تو آئیے ۔ میں اس سے کچھ مہلت لے لوں گا ۔ اس عرصہ میں کوشش کرتا رہوں گا کہ کوٹھی کا مناسب خریدار مل سکے ! ۔

کسی کام میں جلدی مت کیجیے ایسا نہ ہو کہ بعد کو پچھتانا پڑے۔"

"کوٹھی آپ خرید لیجیے، عباس بھائی۔" ہاشمی نے کہا۔

بوڑھا چونک پڑا۔

عباس نے نفی میں سر ہلایا۔"ایسا نہیں ہو سکتا! یہ نوشیبہ پر ظلم ہے۔ وہ کیا سوچے گی۔ میں نے اس کی چیز مول لے لی۔ وہ میرے گھر میں مفت رہنا گوارہ نہیں کرے گی۔ اور میں اس کی نظروں میں سبک ہونا پسند نہیں کر سکتا!۔ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ کسی طرح اپنے بیلنس کی گنجائش دیکھی جائے اور ستائیس ہزار کے بوجھ سے اسے ہلکا کر دیا جائے!۔"

"آپ ایسا کر سکتے ہیں، عباس بھائی۔" ہاشمی نے ملتجی لہجے میں کہا۔"آپ نئی گاڑی خریدنے والے تھے۔ وہ پچاس ہزار سے کیا کم آئے گی۔ اسے ابھی نہ خریدیے آپ کی یہی کار کام دے رہی ہے۔ کسی کو قرض کے بار سے نجات دلانا۔ بڑا ثواب ہے۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں۔ عباس اٹھ کر ٹہلنے لگے۔"میں یہ گاڑی فروخت کر کے نئی خریدنے والا تھا۔ میں ابھی حال ہی میں سنبھلا ہوں۔ شاید میرے پاس ستائیس ہزار نہ ہوں۔ دس پانچ کا معاملہ ہوتا تو میں اسی وقت نمٹا دیتا۔ لیکن — !"

مایوس ہو کر نبی بخش نے کہا۔"میں مہاجن کو یہاں لے آؤں۔ آپ اس سے کہہ دیجیے۔"

"اگر وہ نہ مانے تو دو تین ہزار سے اس کے تقاضے کو دو ایک ماہ کے لیے دبا دیا جائے گا۔

ہاشمی نے کہا۔"پھر یکسوئی اور اطمینان سے آگے کی سوچیں گے!۔"

"ٹھیک ہے! یہ ہو سکتا ہے!۔" عباس نے سر ہلا دیا۔

اگر وہ یہاں تک نہ آیا" نبی بخش اٹھتا ہوا بولا۔

"تو میں خود اس کے پاس چلوں گا" عباس نے کہا" آج اتوار ہے۔ مجھے صبح دس بجے تک بالکل فرصت رہے گی"

"آپ اجازت دیں تو میں بھی ان کے ساتھ چلا جاؤں" ہاشمی نے بالکل سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ چور کے دل میں کھٹکا۔ وہ نوشیہ کے تذکرے پر بالکل لاتعلق اور کھردرے بن جانے کی اداکاری کرتے تھے۔ یہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے کہ جیسے نوشیہ کے وہ سب ہمدرد ہیں۔ ویسے ہی یہ بھی ہیں۔ انکی زبانی اور مالی ہمدردی میرا دل اور جذبات کا کوئی لگاؤ نہیں ہے!۔ لیکن محبت کی پوشیدگی کا فلسفہ بھی عجیب ہے جس قدر چھپانے کی کوشش کی جائے اسی قدر ظاہر ہو جاتی ہے!۔

چنانچہ عباس نے چونک کر انھیں گھورا۔ اور ہاشمی کے سے سپاٹ لہجے میں بولے" پہلے انھیں ہو آنے دو۔ دیکھیں کیا خبر لاتے ہیں؟۔

نبی بخش چلا گیا۔ عباس دیوان پر لیٹ کر کوئی طبی رسالہ پڑھنے لگے۔ ہاشمی کچھ دیر فون پر کمار سے الٹی سیدھی باتیں کرتے رہے۔ پھر بہن کے بچوں میں کھیلنے بیٹھ گئے۔ ان میں جنگ برپا تھی۔ بڑے صاحبزادے جو بمشکل ساڑھے آٹھ سال کے تھے۔ اپنے بھائیوں پر برتری کا رعب جمانے کی فکر میں تھے۔ لیکن دوسرے کیوں ان کا رعب قبول کرتے۔ آخر چھوٹے صاحبزادے جن کی عمر چھ سال تھی وہ بھی تو اپنے چھوٹے بھائی سے بڑے تھے!۔

بڑے والے فرمارہے تھے" لو دیکھ لو۔ میرے ہاتھ اتنے بڑے بڑے ہیں۔ اتنا بڑا جوتا میں پہنتا ہوں۔ میرے پینٹ اور بش شرٹ بھی بڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ الّو۔ گدھے کا بچہ کہہ رہا ہے کہ تھوڑا بڑا ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

ایسے تو کیا میں ہاتھی بن جاؤں۔"

گدھے کا بچہ۔" ہاشمی نے ٹھنڈی سانس لی۔" میاں سچ مچ تم آزاد ہندوستان کے باشندے ہو۔ تقریری آزادی کا تم نے پورا استعمال کیا ہے۔ شاباش شاباش!"

بھیا۔ گدھے تو تم ہو۔" منجھلے والے تڑپ کر بولے۔" ابھی اس دن تمہارا نیکر میلا پڑا تھا تو تم میرا نیکر پہن کر اسکول گئے تھے وہ تو تم پر فٹ آیا تھا۔ پھر تم بڑے کیسے ہو گئے۔ ہم تم ایک جیسے تو ہیں! کیوں ماما؟"

بے شک بے شک۔" ہاشمی نے عقیدت سے سر ہلایا۔

دیکھ لیا؟" جن کی تائید کی گئی تھی۔ وہ سینہ پھلا کر کچھ اور تنا کبوتر بن گئے۔

بنڈل۔" بڑے نے کہا۔" ماما کو ابھی کچھ نہیں معلوم۔ اچھا بتاؤ۔ پہلے کون پیدا ہوا تھا۔ میں کہ تم؟"

مجھے کیا معلوم۔ کیا میں جادوگر ہوں۔" منجھلے نے کہا۔ عرف عام میں ٹنو کہلاتے تھے۔ ہاشمی نے بے بسی سے بڑے کو دیکھا جن کے پیار کا نام مُنّو تھا۔ منو میاں نے اس کے ایک دھمکا رسید کر کے کہا۔

قد ناپ کے دیکھ لے نا۔ بڑا آیا کہیں سے بن کر۔"

ٹنو میاں نے دہاڑ لگائی، ہاشمی نے پہلوانوں کو الگ کیا اور منو سے بولے۔

"تم بے شک بڑے ہو۔ کیونکہ تم بڑے مزے میں اپنے تیسے اور تو تکار کرنے لگے ہو۔ ایک دفعہ ڈیڈی کے ہنٹر کی مار کھائی تھی بیٹا جب اسکول کے سامنے کھڑے کھڑے گول گپتے کھایا تھا۔ اب پھر میں جا کر کہہ دوں گا کہ بڑے میاں کی خیر نہیں۔ زبان بہت بڑی ہو گئی ہے۔"

کیا مزہ آئے گا۔ ڈیڈی روئی کی طرح دھن کر رکھ دیں گے۔ ٹنو نے

کہا۔

اب دیکھو بیجیے۔ ماما ؟ منّو نے احتجاج کیا۔

یار تم ہی ہاری مان لو "ہاشمی نے منّو کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

جیسے آپ سفارش کر رہے ہیں تو مانے لیتا ہوں "۔ منّو نے بُرا سا منھ بنا کر لاپرواہی سے کہا۔ ہاشمی کو ہنسی آگئی۔

انھوں نے دونوں کو اپنے پہلوؤں میں دبالیا۔

ان کی الجھن اب بھی ختم نہیں ہوئی۔ بے نام سی، اداسی تھی کیسی عجیب سی بے چینی تھی جیسے زمین و آسمان میں یکبارگی خلا ہو گیا ہو۔ اب زندگی سے دلچسپی نہیں رہ گئی ـــــ

وہ بچوں کے کھیل میں واجبی سی ہاں ہوں کیئے جا رہے تھے۔ اتنے میں انھیں عباس نے بلا بھیجا وہ تیزی سے باہر گئے۔

بھئی یہ تو ناکام واپس آئے "عباس نے کہا اور ہاشمی نبی بخش کو دیکھنے لگے جو حیرت و یاس کا مرقع بن کر بیٹھ گیا تھا!۔

کیا کہا اس نے ؟ "ہاشمی نے پوچھا۔

نہ وہ یہاں آنے پر آمادہ ہے نہ مہلت بڑھانے پر راضی ہے " نبی بخش نے بمشکل حلق سے آواز نکالی " بہت خوشامدیں کیں۔ میاں۔ ہاتھ جوڑے۔ لاوارث لڑکی کا واسطہ دیا۔ مگر وہ کہہ رہا ہے کہ اس نے دو سال تک مکان پر قبضہ نہیں کیا یہی احسان کیا ہے۔ اب رک نہیں سکتا!۔ اس کا کاروبار خراب ہو رہا ہے۔ وہ مکان حاصل کر کے پھر سے بنوائے گا اور کسی اسکول کو ہزار روپئے ماہوار پر کرائے پر دے دے گا!۔ اس نے اسکول والوں سے معاملہ کر لیا ہے "

" تو تین ہزار روپیے لے کر بھی نہیں مانے گا ؟ " عباس نے کہا۔

کسی لالچ میں نہیں آ رہا ہے۔ میاں!" نبی بخش نے کہا۔

"آپ نے اس کے سامنے ڈاکٹر عباس کا نام لیا تھا یا ساری باتیں اپنی طرف سے کی تھیں؟" دفعتہً ہاشمی نے پوچھا۔

"عباس میاں کی طرف سے۔ انہی کا تو پیغام دیا تھا۔" نبی بخش نے کہا۔

"مہینے بھر کی مدت میں سے کتنے دن گزر رہے ہیں؟" عباس نے دریافت کیا۔

"پانچ دن گذر چکے!"

"ابھی تقریباً مہینہ بھر باقی ہے۔ خیر۔ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔ آگے کا مالک اللہ ہے۔ آپ گھر جائیے۔ نوشیہ سے کچھ نہ کہیئے گا۔ میں سوچوں گا کہ اتنی قلیل مدت میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ نے کھانا کھایا؟" عباس نے کہا اور بڑے تسلی بخش انداز میں اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

بوڑھا چلا گیا۔ ہاشمی کسی سوچ میں گم تھے۔ عباس کمرے میں ٹہلنے لگے!۔

نزہت تھیں تو اسی زمانے کی پروردہ لیکن ان کے قالب میں بڑی پرانی روح تھی۔ دورِ جدید کی ہر چیز سے انھیں للہی بغض تھا۔ وہ پرانی وضع کے لباس پہنتی تھیں۔ خیالات بھی ان کے نہایت زنگ خوردہ تھے۔ روایات کہن سے انھیں پیار رتھے۔ چھوٹے بڑے عورت مرد کا فرق ان کے پاس شدید تھا۔ اپنے خیالات کی مناسبت سے وہ پرانے رہن سہن پر مرتی تھیں۔ اپنے گھر کنبہ سے

خوشحال تھیں۔ انھیں نئے نئے ارمان اٹھتے تھے۔ ہاشمی کو آئے ہوئے بہت روز گذر چکے تھے اپنے شوہر کی لاعلمی میں انھوں نے اپنے بھائی کی آمد کی خوشی میں ایک جشن برپا کرنا چاہا۔ چپکے چپکے دعوت کے سامان کرتی رہیں۔ بڑھیا گھاگ ایسی ان کی بڑی محبوب مشیر کار تھی۔ اگر نزہت سیر کا حساب لگاتیں تو وہ سوا سیر کا وزن لکھواتی۔ اسی کے ذریعہ انھوں نے سارا انتظام کرلیا۔

پھر عین وقت پر جبکہ عباس اپنی فکروں میں غلطاں تھے انھوں نے اپنے پروگرام کا بم ان پر پھینک مارا۔ ہاشمی بھی تھے انھوں نے ناک بھنوئیں سکوڑ کر بہن کو دیکھا۔

لغویت" عباس نے کہا۔

تجوری لبالب ہوچکی ہو تو تھوڑی بہت خالی کردیجیے۔ میں آج کل مفلس ہورہا ہوں" ہاشمی نے کہا۔

تم لوگوں کا تو دل ہی مردہ ہوچکا ہے" وہ پٹاخے کی طرح چھوٹ گئیں" لوگوں کے یہاں جاکر دیکھیے کہیں شادی ہے کہیں رت جگے ہیں۔ ہر جگہ باجے بجتے سنائی دیتے ہیں! ایک ہمارا گھر ہے۔ جہاں عمر بھر بس خاک اڑتی ہے۔ کیسا ارمان ہے کہ بھائی ہمارے یہاں بھی کچھ ہو۔ مہمان آئیں۔ باجے بجیں۔ کچھ چہل پہل ہو!"

اچھا تو کون سے دن گزر چکے ہیں۔ اپنے بھائی کی شادی میں ارمان نکال لینا" عباس نے رد ا روی میں کہا اور پھر کہنی آنکھوں پر ڈھنک کر سوچنے لگے۔

بھائی کہاں راضی ہو رہا ہے" وہ بگڑ کر بولیں" بھائی تو سو سال کا بڈھا ہے۔ اسے بس سوچنے کو دے دو"

کیسے راضی ہو۔ بے چارہ" عباس نے کہا" اسے پتہ ہے کہ کیسے خوبصورت خسرا سے مل رہے ہیں"

ایک خوبصورت آپ اکیلے ہیں دنیا میں نزہت نے ہاتھ نچا کر کہا۔
ابا بیلی مونچھیں کہاں ہیں میرے۔!" عباس بولے۔
ان کی مونچھوں سے نکاح ہو جائے گا ہاشمی کا۔" نزہت کے غصے کا پارہ چڑھتا گیا۔ آپ کو میرے خسر محترم کی مونچھوں سے کیوں دشمنی ہو گئی ہے۔"
ہاشمی نے بہن کو چھیڑا۔" میں بعد کو ان پر استرا پھروا دوں گا۔"
مونچھوں سے کہاں انھیں تو یہی اچھا نہیں لگتا کہ تمھاری شادی ہو۔"
نزہت نے کہا۔
پھر جھنجھلا کر بولیں۔" اچھا اسے چھوڑیئے۔ یہ بتایئے۔ کب رکھوں جشن کی تاریخ ؟"
کل ہی رکھ دو۔" عباس نے کہا۔
کل ؟۔ نزہت اچھل پڑیں۔
اور کیا۔ ایک لغویت جتنی جلدی ہو کے ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔
وہ تو میں سمجھتی ہی تھی کہ میری کوئی خوشی آپ کو راس نہیں آتی۔
جو تمھارا جی چاہے وہ کرو۔ میں اس وقت کچھ سوچ رہا ہوں!۔
نزہت کو ان کا جواب ناگوار گزرا۔ اٹھ کر آفتاب منزل کی طرف ہو لیں۔ وہ بس کچھ ناسمجھ سی تھیں۔ بڑی جلدی روٹھتی منتی تھیں۔ انھیں دل کا برا نہیں کہا جا سکتا تھا!۔ ان کے دل میں مجبوروں کا درد تھا۔ نوشیہ تو پڑوسی تھی۔ اس کا عروج و زوال ان کی نظروں میں تھا۔ اس کی خیر خبر وہ ہمیشہ لیتی ہی رہتی تھیں۔

اس وقت بھی ملازم لڑکے شاکر کو حکم دیا کہ وہ دو آدمیوں کا کھانا تھرماس میں چائے اور چھابی میں تازہ پھل رکھ کر ان کے پیچھے پیچھے لیتا آئے۔ نوشیہ

سے ملنے چل دیں۔

برسات کا موسم اختتام پر تھا۔ ساتھ ہی بارشوں میں شدت آگئی تھی۔ اب بھی ناخوشگوار بوندا باندی جاری تھی۔ ہر چیز بھیگی بھیگی سی۔ ہر طرف کیچڑ۔ ٹھنڈی مرطوب ہوا چہرے پر لگتی تو بڑی گراں گذرتی تھی۔ آسمان پر گھرے بھورے بادل محیط تھے سورج کا چہرہ تین چار روز سے نظر نہیں آیا تھا!۔

نوشیہ اپنے وسیع بوسیدہ دریچے میں بیٹھی ٹھٹھرے ہوئے اجاڑ باغ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس ورشا بھی تھی۔ چوکھٹ پر نبی بخش بیٹھے تھے۔ ایسا لگتا تھا ان میں کوئی ناگوار بحث ابھی ابھی ہو چکی تھی۔ کیونکہ نوشیہ کا چہرہ سرخ، ورشا کا خجالت سے سفید اور نبی بخش کا بوڑھا چہرہ ساکت و جامد لگ رہا تھا!

دفعتہً آہٹ پا کر وہ چونکے! نبی بخش نے سلام کیا۔ لڑکیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ورشا نے اپنی کرسی پیش کی اور خود دریچے کے چوڑے حصے پر ٹک گئی۔

کیسا برا موسم ہے" نزہت نے سر سے پانی کے موتی جھٹکتے ہوئے کہا۔ "اللہ توبہ۔ دنیا کے سارے کام معطل ہوئے پڑے ہیں۔ دن کے گیارہ بجے تک دوکانیں نہیں کھلتیں۔ میں نے سوچا تھا کہ بچوں کے مدرسہ جاتے ہی کچھ شوپنگ کر آتی۔ پھر موقعہ نہیں ملتا۔ اب یہ کام ٹل گیا شام پر۔۔۔!"

دوکانیں تو دس ہی بجے کھل گئیں باجی" ورشا بولی "میں کالج سے واپسی پر دیکھتی ہوئی آرہی ہوں۔ آج ہماری ایک لیکچرر مسز جوشی چل بسیں، کالج بند کر دیا گیا۔

اے ہے تو چلو نا ورشا میرے ساتھ۔ کپڑے وپڑے خرید لائیں" نزہت نے کہا۔

پرسوں سے میرا ٹرمنل ٹسٹ ہے۔ باجی۔ آپ نوشیہ کو لے جائیے" ورشا بولی۔

اتنے میں اشاکر ساہان سمیت لدا پھندا آپہونچ گیا۔

نوشیہ کا چہرہ آگ بھبھوکا ہو گیا۔ مگر وہ کچھ نہ بولی۔ ورشا نے درمیان میں میز رکھ دی

تنا کر کھانے پینے کا سامان سجانے لگا!"
"آؤ نوشی کچھ کھا لو" نزہت نے بڑے پیار سے کہا "بنی بخش صحیح کہہ رہے تھے کہ تم آدھی بھی نہیں رہیں۔
"میں تو دعا مانگ رہی ہوں باجی کہ میں بقیہ آدھی بھی نہ رہوں" نوشیہ کا دل بھر آیا "
کیسی لعنتی زندگی ہے۔ لوگ ترس کھانے لگے ہیں!۔
کیا تمھیں میرے سلوک سے صدمہ پہونچا ہے۔ نوشیہ؟" نزہت نے پوچھا۔
آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتی باجی" اس کے آنسو گالوں پر ڈھلک آئے " مگر میں خود بھی تو سوچتی ہوں۔ اب کون سی عزت اور وقعت میری رہ گئی ہے اچھے زمانے ماں باپ کے ساتھ قبر میں جا سوئے۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں سب سوچتے ہیں۔ اس بدنصیب کا کوئی وسیلہ کوئی ذریعہ نہیں۔ کیا کھاتی ہو گی کیا پہنتی ہو گی"
یہ تو تم خود سوچتی ہو۔" نزہت نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس کھینچا اور سینے سے لگا لیا۔ ایسا سوچنے والے غیر ہوتے ہیں۔ تم تو میری اپنی ہو۔ کیا اپنے بچوں کے متعلق سوچنا برا ہے۔ اس سے بچوں کی توہین ہوتی ہے"
آپ کے آنے سے پہلے بھی یہی کہہ کہہ کر دل کڑھا رہی تھی کہ حویلی سے نکل کر فٹ پاتھ پر بیٹھے گی لوگ بھکارن کہیں گے" درشا نے شکایت کی۔
ارے پاگل کہیں کی۔ کیسی اوندھی باتیں کرتی ہے۔ تیرے دشمن بھکارن کہلائیں۔ اچھا اب سارے فضول خیالات ذہن سے نکال دو۔ بیٹھ کے کھاؤ پیو۔
نزہت نے اس کے آنسو پونچھے دلاسہ دیا بڑے اصرار سے کھلاتی پلاتی رہیں

میں تو کہتی ہوں کہ یہ گھر ہی چھوڑ دو۔ ہمارے یہاں چل کے رہو۔ ڈاکٹر صاحب نے تو کہہ دیا تھا کہ جیسے ہمارے وہ بچے ویسے یہ بچی ......" نزہت بولیں۔

"اس کی ضد پر نہ جائیے باجی" ورشا پیالیاں سیدھی کرتی ہوئی بولی "اسے لے جائیے اپنے ساتھ۔ یہاں تنہائیوں میں پاگلوں کی الٹی سیدھی باتیں سوچتے سوچتے سچ مچ اس کا دماغ جواب دے دے گا۔"

"ہاں نوشبہ۔ بیٹی چلو۔ میرے ساتھ" نزہت نے اصرار کیا۔ "آخر اس ڈھنڈار گھر میں دن بھر تمہارا کام کیا ہے۔ میں تو کبھی اکیلی نہیں رہ سکتی!"

"اماں کے تمام فاتحے ——— !" نوشبہ نے کہنا چاہا۔

"میں کرا دوں گی ان کے فاتحے۔ انھیں خالہ امی کہتی تھی۔ کچھ فرض میرا بھی ہے" نزہت نے کہا۔

"ضروری سامان رکھ لو اور چلی جاؤ" ورشا نے کہا۔

"اے لو۔ ان کو دیکھو۔ ارے کیا اللہ نہ کرے میرے گھر میں صرف ایک جان کے لیے ضروری سامان نہیں ہے" نزہت نے ورشا کو للکارا۔

"میرا مطلب تھا باجی کہ کپڑے لتے۔ کتابیں" ورشا ہنسنے لگی۔

"کچھ نہیں۔ سب میں مہیا کر دوں گی" نزہت نے کہا۔ پھر شاکر سے بولیں "اٹھا لے یہ سب کچھ۔ اور دیکھو سنو۔ بھاگے جا رہے ہو۔ میرے کمرے کے پاس جو بڑا کمرہ بند پڑا ہے اسے کھول کر صاف کر دینا۔"

"جی اچھا۔"

"صاحب سے کہنا میں بس ابھی آئی۔"

"بہت اچھا۔ صاحب!"

"باجی آپ کی محبت سے میں انکار نہیں کر سکتی" نوشبہ نے چپکے سے کہا۔ "مگر میرا

ارادہ ملازمت کرنے کا ہے۔ ابھی حال ہی میں اسکول کھلے ہیں۔ کہیں نہ کہیں جگہ مل ہی جائے گی۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے" نزہت ہنس پڑیں۔ "کمرے کا کرایہ دے دیا کرنا۔ تمہاری وجہ سے کچھ میری آمدنی بھی ہو جایا کرے گی۔"

"کرایہ نامہ لکھوا لیجیے گا باجی" ورشا بولی۔

"اور کیا جی۔ آج کل کسی کرائے دار پر بھروسہ کرنا مشکل ہے" نزہت نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا پتہ کل کو کہہ دے۔ مکان ہمارا ہے لہذا تم کھسکو یہاں سے!"

دونوں ہنسنے لگیں۔

"چلو بابا تم بھی چلو" نزہت نے نبی بخش سے کہا۔

"گھر کی نگرانی کون کرے گا۔ بیٹی؟" نبی بخش نے کہا۔

"بابا تم کون سے رستم پہلوان ہو۔ فرض کرو گھر میں کوئی چور گھس آ جائے اور چڑھ بیٹھے تمہارے سینے پر تو تم چوں بھی نہ کر سکو گے!" ورشا بولی۔

"لاکھوں کا چور یہاں گھس آئیں۔ لے کیا جائیں گے" جلے ہوئے لہجے میں نوشی بولی۔

"اچھا چلو پہلے شوپنگ کرنے چلیں۔ بچوں کے کپڑے خریدنا ہیں" نزہت اٹھتی ہوئی بولیں۔ "بابا تم اندر سے تالا بند کر کے باغ کے راستے چلے آنا۔ میں نوشی کو واپسی میں ساتھ ہی اپنے گھر لے جاؤں گی۔"

"اچھا بیٹی" نبی بخش چلے گئے۔

نوشی سخت کشمکش میں تھی۔ نزہت کے گھر جانا اسے منظور نہیں تھا۔ وہ متذبذب سی ایک ایک کا چہرہ تکتی رہی۔

ورشا سچ کہتی ہوں۔ یہ بڑی بے مروّت ہے" نزہت نے گلہ کیا "یقین کرو اس کے بغیر اپنے گھر میں میرا دل نہیں لگتا۔ مگر اسے مجھ سے رتی بھر محبت نہیں ہے!"

"یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں باجی" ورشا نے تائید میں سر ہلایا۔

اتنے میں نبی بخش باہر گیٹ پر تالا لگا کر اور اپنی پوٹلی بغل میں دبائے آگئے۔

"ارے کم سے کم مجھے تو جانے دیا ہوتا۔ بابا۔ اب کیا دیوار پر سے پھلانگ کر جاؤں گی"

ورشا بولی۔

"باجی میں کپڑے تو بدل لوں" بہت مجبور ہو کر نوشبہ بولی۔

"اچھا باجی آپ بھی جا کر تیاری کر لیجیے۔ میں اسے لے کر ابھی آتی ہوں"

ورشا نے کہا۔ انھیں جلد آنے کی تاکید کر کے نزہت چلی گئیں۔

"تم مجھ سے خواہ مخواہ جھگڑ رہی تھیں۔ ورشا" نوشبہ بولی "لو دیکھ لو۔ ہوئی نا وہی ترس کھانے والی بات۔ باجی نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ اب مجھے ان کے کھانے پہننے کا مرہون احسان ہونا پڑے گا۔ میں عمر بھر ان کا احسان اتار نہیں سکتی۔ کیا زندگی بھر میری گردن ان کے سامنے جھکی رہے گی؟۔ احساس کمتری اور احسان کا بوجھ مجھے زمین میں دھنسا دے گا۔ تم دیکھ لینا!"

"پھر وہی تنو طیت" ورشا نے للکارا "ارے کیا ساری زندگی کے لیے نزہت باجی تم سے معاہدہ لکھوا رہی ہیں۔ احمق۔ کیا لوگ ہفتے دو ہفتے کے لیے کسی کے یہاں مہمان نہیں جاتے؟ اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ ان کی مرضی ہے خواہش ہے۔ مہینہ بیس روز ان ہی کی خوشی سہی تمھارا

دل بھی بہلے گا۔ ہوا بدلے گی۔ خیالات بلیٹیں گے۔ اس غمناک تنہا ماحول سے نجات ہو گی۔ تمھارا گھر کہیں بھاگا نہیں جاتا۔ اگر وہاں دل نہ لگے تو پھر چلی آنا اپنے گھر —— !"

نوشیبہ نے اطمینان کی سانس لی۔ درشا صحیح کہہ رہی تھی۔ وہ بہت جلدی نروس ہو جاتی ہے۔ اس نے لباس تبدیل کیا۔ بال درست کیے! اور درشا کے ساتھ باغ کے راستے نزہت کے گھر کی طرف چل دی۔ نبی بخش ساتھ تھا۔

ملتی رہنا مجھ سے؟" راستے میں نوشیبہ نے کہا۔

کیوں نہیں۔ اچھا کیا سچ مچ تمھارا ملازمت کا ارادہ ہے۔

ہاں!۔ کیا عمر بھر دوسروں کے سر پڑی رہوں گی۔

میری مانو تو اپنی حویلی بیچ دو۔ اتنا بڑا گھر تمھارے کس کام کا ہے؟۔

بکوا دو۔!

سچ مچ؟۔

ہاں!۔

اچھا میں ڈیڈی سے کہونگی" درشا نے وعدہ کیا" ہو سکتا ہے انکے دوستوں میں سے کوئی خرید ہی لے۔ میں ڈیڈی سے کہہ کر تمھیں ایک چھوٹا سا مکان لے دونگی۔ اطمینان سے سوچ سمجھ کر اگلی زندگی گزارنا۔ اچھا!۔

"یہی میں بھی کہتا ہوں!" نبی بخش نے کہا۔

خدا کا شکر ہے بٹیا کہ تمھارے ابا یہ ایک مکان ہی ڈھنگ سے رکھ گئے" بیساختہ درشا کے منھ سے نکل گیا۔ لیکن ایک طرف نوشیبہ کے دل کے آرپار تیر نکل گیا دوسری طرف نبی بخش پتھر کا بت بن گیا۔ مکان اب نوشیبہ کی ملکیت کہاں تھا!۔ مگر ستائیس ہزار کا بندوبست نہ ہو سکا تو مکا

مہاجن کا ہو جائیگا! اسنے اپنے کرائے دار کھڑے بھی کر لیئے ہیں۔ وہ تو اتمام مدت کا منتظر ہے!۔

تینوں برآمدے میں آئے۔ نوشیہ اور ورشا جھجک کر کچھ پیچھے ہٹ گئیں برآمدے میں انھوں نے ہاشمی اور کمار کو دیکھا۔ دونوں ہی ان سے واقف تھیں۔ وہ بھی انھیں جان چکے تھے۔ چنانچہ ہاشمی سے پہلے کمار نے انھیں بڑے ادب سے جھک کر سلام کیا۔

ورشا بھنا گئی۔

نوشیہ کو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ یہاں ہاشمی کا آمنا سامنا ناگزیر تھا۔ وہ ایسی بوکھلائی کہ سلام کا جواب تک نہ دے سکی! ویسے اس کا دل چاہتا تھا کہ الٹے پیروں واپس بھاگ جائے"

ہاشمی کو پتہ نہیں تھا کہ نزہت نوشیہ کو اپنے یہاں لے آئی ہیں انکی دانست میں اس کا یہاں آنا متوقع تھا۔

انھیں یاد آیا کہ کس طرح اس نے ان کے روپیے انھیں حقارت سے واپس کردیئے تھے۔ خجالت کے مارے ان کی پیشانی پسیج گئی۔

اتنے میں شاکر اندر سے نکلا اور جھک کر بولا "آیئے۔ صاحبزادی۔ آپ کا کمرہ صاف کر دیا"

شنوفر نے برآمدے سے ہانک لگائی "گاڑی آگئی ہے۔ صاحب!

اچھا۔ نوشیہ۔ بائے" ورشا نے کمار کی طرف سے منھ سکوڑ کر نوشیہ سے کہا "میں کل کالج سے واپسی پر تم سے ملوں گی"

ڈیڈی سے کہنا مت بھولنا۔

نہیں نہیں!

دروازے سے اترتی ہوئی چلی گئی۔ نوشیبہ شاکر کے ساتھ اندر ہولی۔
نبی بخش نے ٹھنڈی سانس لے کر دونوں کی طرف دیکھا۔

کمار نے دیر بعد منہ چلایا اور حواسوں میں آئے۔

ہاشمی بھی چونکے!۔

آپ مع ساز و سامان کے اس غریب خانے پر کیسے تشریف لائے؟" کمار نے نبی بخش سے پوچھا پہلے تو انھوں نے حسب عادت ٹوٹے پھوٹے بیکس خوردہ دانتوں کی غیر ضروری نمائش کی پھر رازداری کا وعدہ لیئے بغیر سارا قصہ سنا دیا۔

"اچھا بابا۔ آپ رحمت خاں کے کمرے میں چلے جائیے۔ میں اس سے کہہ کر آؤٹ ہاؤز کا ایک کوارٹر صاف کروا دوں گا۔" ہاشمی نے کہا۔ یکبارگی وہ بے پناہ خوشیوں سے مغلوب ہو گئے۔

نبی بخش کے جانے کے بعد کمار نے شرارت سے کہا "جناب میں آپ کے جذبۂ صادق پر ایمان لے آیا ہوں!"

بکواس کرو گے تو ایک گھونسہ رسید کروں گا۔" ہاشمی نے کہا "نبی بخش نے ہوائی چھوڑی ہو گی۔ میں باجی سے پوچھتا ہوں!۔

"یار وہ دوسری چلتی پھرتی قیامت بھی میرے دل پر سے گذر گئی"

کمار نے لوفروں کے لہجے میں کہا "اس گھٹا بھرے موسم میں اس کا ہرا بھرا لباس۔ اُف فوہ۔ دل اپنی دھڑکن بھول گیا ہے معلوم یہ ہو رہا تھا جیسے مخملی سبزہ اٹھ کر حرکت کرنے لگا ہو..... گوری گوری پیشانی پر چمکتی ہوئی سرخ سرخ بندیا۔ وہ تو میرے کلیجے کا داغ بن گئی ہے" انھوں نے ایک لمبی لمبی آہ بھر کر ہاشمی کو دیکھا جو قہر آلود نظروں سے انھیں گھور رہے تھے۔

اتنے سخت لفنگے تم کب سے ہو گئے؟" ہاشمی نے کہا۔

آج ہی سے۔ بلکہ اسی وقت سے" کمار نے بڑی معصومیت سے برجستہ کہا۔ ہاشمی کو ہنسی آ گئی۔

اس کی سہیلی معلوم ہوتی ہے" ہاشمی نے کہا۔

میں کب کہتا ہوں کہ وہ اس کی والدہ محترمہ تھی" کمار نے کہا۔

ہاشمی نے سنی ان سنی کر کے کہا " پتہ نہیں۔ اسے معلوم ہے کہ نہیں مہاجن کا تقاضہ سخت ہے یا اسے مہاجن نے نوٹس دے دیا ہے؟"

دونوں حالتوں میں تمھارے مزے ہیں!۔

کمار؟" ہاشمی چیخے" ایسی گفتگو بند کرو۔ میری کس بات سے تم نے اندازہ لگایا ہے کہ مزے ہیں۔ میں اس سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ اور بس"

معاف کرو" کمار نے کہا " میں تو محض مذاق کے موڈ میں تھا۔

لڑکا چائے لایا۔ ہاشمی نے پوچھا " بیگم صاحب کو ذرا یہاں بھیج دینا۔

وہ تو گئیں سرکار۔ بازار۔

اچھا خیر۔ جاؤ۔ تھوڑی دیر بعد آ کر پیالیاں لے جانا" کمار نے اسے بھگا دیا۔

باجی کی آرزو دیکھو۔ جشن برپا کریں گی۔ میری آمد کا" ہاشمی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا " میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بھی باجی کی ایک تدبیر ہے"

ہاں بھائی۔ میں پوچھنا بھول گیا" کمار نے جلدی سے کہا " تمھاری نسبت کے سلسلہ میں کیا ہوا۔ اس دن باجی کچھ کہہ رہی تھیں۔ میں نے دھیان سے سنا نہیں!۔

میں بھی نہیں جانتا۔ پتہ نہیں۔ کس کنٹریکٹر کی لڑکی کی بات کر رہی تھیں

تو یوں کہو کہ ان کنٹریکٹر صاحب نے اب تمھارا ٹھیکہ لیا ہے۔ ٹنڈر بھر دیا باجی کے پاس۔"

"کبھی کبھی تو میں سچ مچ ڈر جاتا ہوں۔" ہاشمی نے کہا۔"باجی کو تم نہیں جانتے۔ بڑی مرنجان مرنج بلکہ زود رنج واقع ہوئی ہیں۔ ان کا کہا مانا گیا تو خوش۔ مخالفت کی گئی تو گاندھی جی کی پالیسی اختیار کر لیتی ہیں۔ میرے سلسلہ میں بھی سخت ہوگئیں تو کیا ہوگا۔ میں نہ تو ان ٹھیکے دار صاحب کے یہاں کی نسبت پسند کرتا ہوں نہ باجی کو ناخوش کرنا چاہتا ہوں۔"

سرکاری ملازم تو ہو نہیں۔ دو شادیاں نہایت آرام سے کر سکتے ہو۔" کمار نے رائے دی۔ افسوس ہے کہ تم بالکل ناکارہ ثابت ہو رہے ہو۔" ہاشمی نے کہا۔"تم میں رائے دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اب تم چلے جاؤ۔"

"میاں تم تو رہو۔ احمق۔ ارے ٹھیکے دار صاحب کی صاحبزادی بڑا دور دار لاؤ لشکر لائے گی۔ گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ عشق وشق کا جھگڑا بیکار ہے۔ تم نے سنا نہیں۔ چچا غالب کہہ گئے ہیں۔ کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔ لہٰذا تم عشق کی بھپھوندی دماغ شریف سے کھرچ دو۔ اگر جہیز میں پنکھے دو نصیب ہو جائیں تو ایک مجھے بھی دینا۔ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔"

کس بات میں تم نے دیکھا ہے۔ عشق !" ہاشمی نے ان کا گریبان جکڑ لیا۔

ارے ارے عشق کا نام آیا۔ اور تم حواسوں سے جاتے رہے۔" کمار کو ہنسی آگئی۔"یاد رکھو۔ اگر گریبان پھٹ گیا تو دوسرا نیا قمیص دھرا دوں گا۔"

ابھی ابھی تو سرخ بندیا جو اس نے گئی تھی۔" دانت پیس کر ہاشمی نے کہا اور

گریبان چھوڑ دیا۔ "میں کسی کے لئے ڈپازٹ نہیں رہوں!" کمار نے کہا۔ ہاشمی ہنس پڑے۔

"سچ سچ ہم لوگ نہایت بدمعاش ہو گئے ہیں" کمار نے توبہ کرتے ہوئے کہا "اچھا سنو۔ وہ سرخ بند یا بھی بکواس ہے اور تمھارا عشق بھی مہمل .... میں چلا۔ اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی کسی پریشانی میں مجھے بھول نہ جانا۔ میں زندگی کی آخری سانسوں تک تمھارا رہوں گا۔ اگر تم انشاء اللہ شادی نہ کرو گے تو میں بھی نہیں کروں گا۔

"بڑا شوق ہے عربی کے استعمال کا" ہاشمی نے ہنستے ہوئے کہا "ایسے موقعوں پر خدانخواستہ بولتے ہیں۔ انشاء اللہ نہیں ــ!"

"اچھا عباس بھائی نے مہاجن کے سلسلے میں کیا کیا؟" کمار بے حد سنجیدہ ہو گئے۔

"کیا بتاؤں یار" ہاشمی بھی سنجیدہ ہو کے بولے "کہہ نہیں سکتا عباس بھائی کے پاس ابھی اتنی رقم نہیں۔ میں تو بالکل کنگال ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ادھر وہ کھوسٹ مہاجن بضد ہے کہ بس ایک ماہ کے بعد ضرور رقیقہ لے گا۔ عباس بھائی بھی فکرمند ہیں!"

"میرے پاس کچھ رقم ہے۔ کہو تو کل آتے آتے لیتا آؤں"

"تمھاری رقم ــ؟"

"ہاں کیا حرج ہے۔ تم اور میں الگ تو نہیں ہیں" کمار نے کہا "رقم بھی کچھ دس بارہ لاکھ نہیں ہے شاید ڈھائی تین ہزار کے لگ بھگ ہو"

"اتنے میں کیا کام نکلے گا۔ یہاں تو کم و بیش تیس ہزار کا سوال در پیش ہے!"

"خیر ابھی تو دن باقی ہیں" کمار نے کہا "پھر سوچیں گے۔ فکر نہ کرنا۔

اچھا۔؟۔

اچھا؟" ہاشمی مضمحل سے مسکرائے۔

کل ملوں گا" کمار یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔

(روشن منزل)

نزہت کا گھر سمنی سائیڈ اچھا خاصہ انجمن زندہ دلان کا دفتر تھا۔ وہ خود بڑی خوش مزاج تھیں۔ عباس بھی ایسے چڑچڑے نہیں تھے۔ ان کے یہاں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ٹپکتا ہی رہتا۔ کبھی عباس کے عزیز آتے کبھی نزہت کی سہیلیاں۔ ان میں وہ بھی تھیں جو مدرسہ اور کالج کی ہم جماعت تھیں اور وہ بھی جو کبھی ان کے ساتھ آفس میں کچھ دنوں کام کر چکی تھیں۔ نزہت مجلسی زندگی کی شائق تھیں۔ ہنسنے ہنسانے کی قائل۔ عباس ان کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ اب جو ہاشمی ایک عرصہ بعد جرمنی سے واپس آئے تو ان سے ملنے کے بہانے عزیز اقارب دوست احباب کا طومار لگ گیا۔ نزہت نے سوچا خواہ مخواہ ایک ایک آدمی سے ملنے کے بجائے کیوں نہ ایک پرمسرت جشن منایا جائے جس میں یکبارگی سب سے ملاقات ہو جائے۔ وہ اپنے ارادے کی پکی ہوتی تھیں۔ شوہر کی محبت پر ناز تھا کہ وہ کچھ نہ کہیں گے۔ لہذا سارا انتظام کر کے گھر سجانا شروع کر دیا۔ عباس اور ہاشمی کو مہمل اور بدعقل سمجھ کر اپنے پروگراموں سے باخبر کرنا بھی ضروری نہیں خیال کیا۔ ویسے دونوں کو دھمکی دے چکی تھیں۔

وہ نوشیبہ کو اپنے یہاں لے آئیں اور اپنی دانست میں اس کے تمام دکھوں کا مداوا کر دیا۔ چاہتی تھیں کہ نوشیبہ ان کے خیالوں کے مطابق خود کو ڈھال لے۔ اس کی امکان بھر دلجوئی کی خاطر اسے اپنا سارا گھر سونپ دیا۔ چمکار کر اور پیشانی چوم کر بولی تھیں۔

"کچھ دنوں مجھے آرام کرنے دو۔ اچھا۔ یہ اب تمہارا گھر ہے۔ یہ رہیں چابیاں۔ جو چاہو رکھو اٹھاؤ۔"

عباس نے یہ سن کر ان پر آنکھیں نکالیں "کیا مطلب؟ تم کام لو گی نوشیبہ بی بی سے؟"

"اجی آپ نہ بولیے" حسب عادت وہ منٹ بھر میں بگڑ گئیں "آپ کو کیا معلوم۔ اسی طرح بچیاں خانہ داری کا سلیقہ سیکھتی ہیں۔ اور پھر گھر کا کام، کام کب ہوتا ہے۔ تفریح ہوتی ہے۔"

تفریح؟"، عباس بھی بگڑے "چولھا پھونکنا، روٹی تھوپنا۔ چائے بنانا۔ آپ کے گھر کا باوا آدم نرالا ہے۔ اسے ٹھیک کرنا۔ صرف تفریح ہے!؟"

یکبارگی نزہت ہنس پڑیں۔ من گئی تھیں "میں بھی تو دیکھوں۔ میری شہزادی کو کیا کیا پکانا آتا ہے۔ اب آپ کو یہ اچھے اچھے کھانے کھلائے گی۔ ہمیشہ دم کے گوشت کی رٹ لگاتے رہتے ہیں۔"

نوشیبہ چپ چاپ تخت کے کونے پر بیٹھی ان کی مزیدار نوک جھونک سن رہی تھی۔ وہ نزہت کے خلوص کی معترف تھی۔ عباس کی محبت سے متاثر۔ کیسے اچھے لوگ تھے۔

نہیں نزہت۔ ابھی نہیں" عباس نے سنجیدگی سے کہا "میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ نوشیبہ کچن میں نظر آئے۔ اس کے بلند مقام کو تم بھی سمجھتی ہو۔ میں چاہتا

ہوں۔ ابھی یہ چند روز سکون و اطمینان سے ہمارے یہاں آرام کرے۔ اسکے دل و دماغ سے غم اور تفکر کا بوجھ ہٹے۔ یہ ہنسے بولے۔ اسے اپنا گھر سمجھے۔ پھر ہوتی رہے گی خانہ داری بھی۔"

بات نزہت کی سمجھ میں آگئی۔ سر ہلا کر بولیں "اچھا تو یہی سہی۔ مگر یہ کیا آپ بار بار جتا رہے ہیں۔ اپنا گھر سمجھے۔ اپنا گھر سمجھے۔ ارے کیا یہ گھر اس کے لیے پرایا ہے!"

ہر بات الٹی سمجھو گی!" عباس بھنا گئے۔

میری بات سیدھی ہے" نزہت نے جواب دیا۔

عباس نے ان سے بحث کرنا فضول سمجھ کر نوشبہ سے کہا "میں تم سے کہتا ہوں نوشبہ اب تم خود کو یکسر بدل دو۔ بھئی ہر طرح کے غم اولاد آدم ہی پر گزرتے ہیں۔ تمھارے سوچنے گھلنے کڑھنے اور آنسو بہانے سے تقدیر یا حالات نہیں بدلتے۔ زندگی البتہ گراں بار ہو جاتی ہے۔ اتنا ذہن نشین کر لو کہ آدمی کا دکھ جتنا شدید ہوتا ہے۔ سکھ اسی نسبت سے فراواں ہوتا ہے۔ خود کو اس قابل تو رکھو کہ اپنی مسرتوں کو برداشت کر سکو! ہاں..... یہ سچ ہے کہ تمھیں اپنے والدین کا غم ہے۔ مگر بیٹی۔ وہ تو گئے۔ تمھارے آنسو تمھارے غم انھیں واپس نہیں لا سکتے۔ تمھیں بہرحال ان کے بغیر ایک نئی زندگی کی بنیاد رکھنی ہے۔ تو پھر کیا یہی نئی زندگی کی بنیاد مسرتوں پر کیوں نہ رکھو۔؟

ہائے میرے اللہ" نزہت نے خوش ہو کر کہا "کیسی اچھی اچھی باتیں آپ نے کہی ہیں۔ قسم سے۔ میں بھی یہی سب کچھ کہنا چاہتی تھی۔ پر کہہ نہ سکتی تھی۔

عباس سنجیدہ موڈ میں تھے۔ نوشبہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بے حد محبت سے بولے "رہا یہ احساس کہ تم فی الحال سرمائے سے محروم ہو گئی ہو۔ ہاتھ خالی ہے۔ تو اسے فی الفور ذہن سے دور کر دو۔ پیسہ بڑی حقیر نہایت بے وفا سا تھی

ہے۔ اگر وہ چلا گیا ہے تو دوسرے راستے سے واپس بھی آسکتا ہے یہ ہرجائی ہے۔ آج میرا ہے۔ کل تمھارا ہے۔ بس یہ سب کا ساتھی ہے تو جو کچھ میرا ہے وہ تمھارا بھی ہے جس قدر تمھیں ضرورت ہو۔ المادی کرسے لے لو۔ میں تمھیں ابھی بھی کہہ چکا ہوں۔ نزہت تمھاری ماں بھی ہیں بہن بھی۔ ان سے تکلف نہ کرو۔ بہت زیادہ جذباتیت اور زود رنجی بھی تکلیف پہونچاتی ہے۔ اِتم سمجھ گئیں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں!؟"

آنسوؤں کا پھندہ نوشیہ کے گلے میں پڑ گیا تھا۔ ایسی ہی باتیں تو اس کے ابا بھی کرتے تھے۔ اس نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا "جی۔!"

صرف جی، نہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ میری باتوں پر عمل کروگی "

جی ہاں۔ اب آپ دونوں کے سوا میرا کون ہے۔

"سب سے بڑا سہارا خدا کا سہارا ہے۔ نوشیہ۔ پہلے اس پر پھر ہم پر بھروسہ کرو! ہم تمھیں کبھی محسوس نہ ہونے دیں گے کہ تمھارے ماں باپ مرچکے ہیں!"

عباس بھائی" اس نے سسک کر ان کے ہاتھوں پر سر جھکا دیا۔

اور پھر اس نے یہی کیا۔ بدل گئی۔ خود کو حالات کے سپرد کر دیا۔ مرضی سے نامرضی سے۔ کرتی بھی کیا۔ اس نے گھر کی کنجیاں تو نزہت کے حوالے کردیں۔ لیکن نادانستہ طور پر سارے گھر کا چارج لے لیا۔ بچے تو اس کے ارد گرد یوں پھرا کرتے جیسے دائرے اور مرکز۔ وہ بڑے پیارے بچے تھے۔ ماں باپ کے سے پرمحبت۔ اس کے لپٹے رہتے تھے۔ سب سے چھوٹا بچہ اسی کے پاس سونے لگا تھا۔

نوشیہ کو یہاں اپنے گھر سے زیادہ آرام ملا تھا۔ لیکن وہ اپنے گھر کو نہ بھول سکی اس کے دماغ کی ساخت عجیب تھی۔ جو بات یاد آتی نقش کا لحجر ہو جاتی۔ وہ ماضی کے دلکش وحسین نقوش ہزار چاہنے پر بھی فراموش نہ کرسکی تھی۔

نزہت واقعی اسے ایک ماں کی طرح چاہنے لگی تھیں۔ عباس بار بار اپنے خلوص کا

اعادہ کرنا کم ظرفی سمجھتے تھے لیکن ان کا سلوک مظہر تھا کہ وہ اس کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ اس سے کہے بغیر انھوں نے اس کے قیمتی اور اعلیٰ ملبوسات سلوا دیئے۔ نزہت نے اسے کچھ رقم دی کہ جو کچھ اس کا دل چاہے خرچ کرے۔ نوشابہ اب بھی کبھی روز اور کبھی ایک دن چھوڑ کر آجاتی تھی۔ نوشیبہ کے دن رات پرسکون ہوتے گئے۔ اسے یہ بھی اطمینان تھا کہ چند دنوں بعد اس کی کوٹھی بک جائے گی۔ ایک معقول رقم ہاتھ لگے گی تو وہ عباس سے کہہ کر ایک چھوٹا سا گھر خرید لے گی! وہ اگر کرائے پر کسی کو دے دیا گیا تو مستقل آمدنی کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ کہہ سن کر نزہت کو اپنے اخراجات بھی دے سکے گی!۔ ادھر نبی بخش پریشان تھا۔ ابھی تک عباس نے کوئی معقول بندوبست نہیں کیا تھا۔ نہ اس سلسلہ میں پھر تذکرہ آیا۔ وقت گذرتا جا رہا تھا! صرف دس دن مدت کے ختم ہونے میں باقی رہ گئے تھے۔ اس نے ایک دن ہاشمی سے کہا تھا جواب میں انھوں نے کہا۔

"اب کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے کہ اس کھنڈر کے ستائیس ہزار روپئے جائیں۔ آپ کی مالکن خدا کے فضل سے آرام سے ہیں۔ آپ بھی آرام کیجیئے۔"

اس جواب نے نبی بخش کے سامنے مایوسیوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ لوگ کچھ کرنے والے نہیں۔ اور نوشیبہ کی خودداری اسے ہرگز ہرگز تا زندگی اسی گھر میں رہنے کی اجازت نہ دے گی!۔

نوشیبہ کے لیئے ہر قسم کا آرام میسر تھا۔ لیکن وہ جو محاورہ ہے کہ ہر نوش میں ایک نیش ہوتا ہے۔ ہاشمی کی موجودگی نے اسے بے نام سی خلش میں مبتلا کر دیا۔ وہ عرصہ بعد گھر آئے تھے۔ جب وہ جرمنی جا رہے تھے تب ان کی امی زندہ تھیں۔ واپسی پر انکی والدہ زندہ نہ تھیں۔ لہٰذا ماں کی کمی کو نزہت نے بڑھ چڑھ کر پورا کر دیا تھا۔

وہ دلار تھے وہ ناز تھے کہ خدا کی پناہ - ہر وقت ہاشمی گھر ہی میں براجمان رہتے!
نزہت پردے کی قائل نہ تھیں - لہذا ہاشمی کے اکلوتے دوست کمار تشریف لاتے
تو وہ بھی گھر ہی میں گھس جاتے - صحن میں نشست ہوتی اور فضول باتوں کا سلسلہ
شروع ہو جاتا! - نوشیبہ کا شب و روز کا سامنا ناگزیر تھا، طعام خانے
میں ہمیشہ سب ساتھ ہی بیٹھتے تھے! - کب تک وہ سب سے گریزاں رہتی!

ہاشمی اس سے گفتگو کا بہانہ تلاش کرتے! -
"اگر آپ چائے والے پینے جا رہی ہوں تو . براہ کرم مجھے بھی یاد رکھیے گا!"
نوشیبہ کو معلوم تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتیں آخر میں بہت بڑی بڑی ہو جاتی ہیں -
وہ محتاط رہتی - اس کے اس انداز نے ہاشمی جیسے حساس اور جذباتی انسان
کو بہت صدمہ پہونچایا - وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کی پہلی جسارت کو
نوشیبہ ابھی تک بھولی نہیں!

ایک دن وہ صحن میں موگرے کے جھنڈ کے پاس کین چیر رکھے بیٹھی تھی.
اس کی گود میں نزہت کا ننھا تھا - بہت دنوں بعد سورج نے اپنا چمکیلا چہرہ
دکھایا تھا - در و دیوار پر سنہری کرنیں چمک رہی تھیں - سرسبز خوشنما باغ نظر
فریب تھا - بھیگے بھیگے پھول پتوں پر چپکے ہوئے تھے نم مٹی پر رنگ برنگی پھولو نکی
چادر بچھ گئی تھی -

اپنے کاسنی رنگ کے لباس میں نوشیبہ اس سبز ماحول میں خود بھی مونگے کا ایک
پھول لگ رہی تھی! - اس نے ننھے کے ہاتھ تھام رکھے تھے - وہ تالیاں بجا رہا
تھا - ہنس رہا تھا - اور ہاشمی بہت دنوں بعد نوشیبہ کو ہنستے ہوئے دیکھ رہے
تھے - وہ اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں آئے - نوشیبہ نے مڑ کر انھیں دیکھا اور اسکے
رخساروں پر گلابیاں سمٹ گئیں -

صبح بخیر!" وہ مدھم بھاری آواز میں بولے۔
جواب میں نوشیبہ نے کچھ کہا تھا۔ ان کے کانوں تک نہیں پہونچا۔
باجی شائد چیک آپ کے لیے گئی ہیں!۔
"جی ہاں!"
بچہ ہاشمی کو دیکھ کر ہمکنے لگا تھا۔ ہاشمی نے اس کے پاس جھک کر اس طرح بچے کو اپنے ہاتھوں میں لیا کہ ان کی سانسیں نوشیبہ کی پیشانی سے لگیں اور وہ پیچھے سرک گئی۔
"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بہت دنوں سے موقعہ کی تلاش میں تھا"
"کہیئے!" غیر جذباتی لہجے میں نوشیبہ بولی۔
کیا آپ یہاں خوش نہیں ہیں؟۔
"ایسی کوئی بات نہیں ...."
"میں نے بھی اندازہ لگایا تھا میری اس دن کی جسارت ابھی تک آپ نے فراموش نہیں کی"
"میں نے ہمیشہ امداد کی ہے ہاشمی صاحب کسی سے مدد لی نہیں!۔ اس لیئے یکبارگی دل پر تھپیڑ سا لگا!"
میں معافی چاہتا ہوں .... وہ حاشا کلا امداد نہیں تھی۔ میں نے سوچا تھا جیسے مجھے ضرورت پڑی ہے۔ ویسے ہی آپ کو بھی پڑ سکتی ہے!"
"کیا آپ اس تذکرے کو ختم نہیں کر سکتے؟
"میں چاہتا تھا کہ آپ سے معافی مانگ لیتا۔ دل میں بات نہ رکھیئے"
"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ میرے دل سے وہ بات نکل چکی!"
"بہت بہت شکریہ۔ اب میں اطمینان کی سانس لے سکوں گا!"

"ہاشمی صاحب میں آپ کی بھی شکر گذار ہوں گی اگر آپ مجھے کبھی اطمینان کی سانسیں لینے دیں! مجھے معلوم ہے کہ آپ اس قابل ہیں اپنی دولت سے کسی پر احسان کر سکیئے۔ لیکن "میں نہیں سمجھتی کہ روپے پیسے جیسی حقیر و کم قیمت چیز سے آدمی کے احساسات خریدے جا سکتے ہیں؟... مجھے معلوم ہے کہ دولت تاریکی کے سائے کی طرح کتنی جلدی ساتھ چھوڑ جاتی ہے"

خدا کی پناہ" ہاشمی کی زبان سے نکلا" یہ الزام ہے مجھ پر... میں نے کبھی نہیں سوچا۔ میری بے بضاعت دولت آپ کے احساسات خرید سکتی ہے!"

وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ جیسے انھیں یقین ہی نہیں تھا۔ یہ سب دلشکنی اسی نے کی تھیں۔

"میں تنہائی کی عادی ہوں کسی کی بے تکلفی مجھے اچھی نہیں لگتی!" نوشیبہ نے کہا اور اپنی اون کی نازک سی باسکٹ اٹھا کر چلی گئی۔

صورت اور سیرت میں اس قدر تضاد؟۔ ہاشمی نے بہت دکھ سے سوچا۔ اور پھر ننھے کو ملازم کے حوالے کر کے اسی کرسی پر ٹک گئے جس پر سے وہ اٹھ کر گئی تھی۔

نوشیبہ نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا! اور دیوار سے سر ٹیک کر سسکنے لگی۔ وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ یہ آنسو کیوں رو رہی تھی؟ بہت سے جذبات جو اپنے اندر سے سر ابھارتے ہیں وہ خود اپنے لیے بھی اجنبی ہوتے ہیں!۔

ہاشمی نے کنپٹیاں دبا لیں اور ہاتھوں پر جھک گئے۔

نزہت دنیا مافیہا سے بے خبر اپنی ذات کے اندر مگن تھیں۔ انھوں نے اپنی رازدار بڑھیا ملازمہ کو ساتھ ملا لیا تھا اور بڑے مزے میں جشن کی تیاریوں میں

مصروف تھیں۔ کوٹھی میں چراغاں کا انتظام تھا۔ بہت سے کارڈز تیار کرائے گئے تھے۔ عباس نے ان کے معاملات میں دخل ہی دینا چھوڑ دیا تھا۔

نزہت کی یہ پالیسی تھی کہ ہاشمی کسی طرح اپنی ہونے والی دلھن کو بھی دیکھ لیں اس کے لیے بڑا قیمتی لباس انھوں نے چپکے چپکے تیار کرالیا تھا!۔

ادھر انھوں نے دوسرے دن تقریب کا اعلان کیا!

اُدھر مہاجن کا بھیجا ہوا نوٹس آفتاب منزل سے ری ڈائیریکٹ ہو کر سنی سائیڈ پہونچا!۔

عباس ہاسٹل میں تھے۔ ہاشمی بے حد اکتائے ہوئے بیزار سے نزہت کے ساتھ کہیں جا رہے تھے! ان کی تیوریوں پر بل پڑے ہوئے تھے۔

تبھی ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا۔ کہ ہاشمی سے ٹکراتے بچا۔

"کیا بات ہے؟" وہ غرائے۔

"سرکار۔ وہ۔ بڑے میاں..." ملازم ہانپتا ہوا بولا۔

"کون بڑے میاں۔ حواس تو۔ درست ہیں؟" نزہت نے للکارا۔

"صاحب۔ وہ نانا نبی بخش" ملازم نے سانسوں پر قابو پا کر کہا۔ "اپنے کمرے میں بیہوش پڑے ہیں۔ ان کی حالت اچھی نہیں!"

"خدایا رحم" نزہت کے لبوں سے نکلا۔

جب دونوں نبی بخش کے کمرے میں پہونچے تو انھیں شاک سا لگا! نبی بخش پسینے میں تر بتر بستر پر پڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا! اس پر نوشتہ جھلکی ہوئی تھی۔ نبی بخش کے سرہانے رجسٹری شدہ خط معہ نوٹس پڑا دکھائی دیا۔

ہاشمی نے چپکے سے اسے اٹھایا اور پھر آن واحد میں حقیقت ان پر روشن ہو گئی۔

"نوشیہ تم اندر چلو۔ بچی... میں ابھی ڈاکٹر کو بلواتی ہوں" نزہت حواس باختہ تھیں۔

باجی" نوشیہ سسک پڑی" آپ سب نے مجھ سے چھپایا کہ میری کوٹھی مرہون ہے وہ میری نہیں۔ میری ہو بھی نہیں سکتی۔ بابا۔ بابا تھیں اسی کا غم لے گیا" وہ روتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی۔

ہاشمی نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

پھولی پھولی سانسوں سے نزہت نے کہا" ہاشمی۔ ڈاکٹر کو فون کرو۔ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ارے کل ہی تو تقریب ہے۔ کیا ہونے والا ہے"

ہاشمی نے سخت ناگوار انداز میں خط فرش پر پھینکا اور باہر چلے گئے۔

فون کے اسٹینڈ پر سر جھکائے نوشیہ کھڑی تھی۔ ہاشمی دور کھڑے ہو گئے۔ نوشیہ نے سرخ سرخ آنکھیں ان کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ہاشمی ایک ملزم کی طرح سر جھکائے ہوئے تھے!۔

اگر آپ مجھے بتا دیتے تو میں جاتی مہاجن کے پاس" وہ گھٹی گھٹی آواز میں کراہی"

ہاتھ جوڑتی۔ پاؤں پڑتی اس کے۔ میرا گھر تو نہ جاتا۔ آپ لوگ بیدرد ہیں۔ ظالم ہیں ہمدردی کے پردے میں جان لیتے ہیں۔ کیا ہو گا اگر بابا بھی مر گئے" وہ یک بیک تڑپ کر رو پڑی۔

نوشیہ" بے ضبط ہو کر ہاشمی نے کہا" گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی جاتا ہوں تمھارا گھر نہیں جائے گا۔ بابا بھی اچھے ہو جائیں گے۔ تم نے کسے فون کیا ہے؟"

عباس بھائی کو ــــ!"

آ رہے ہیں؟

ہاں!

نوشیہ؟۔

جی۔"

میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کم بخت مہاجن اس قدر ظالم ہو سکتا ہے۔" ہاشمی نے نادم لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ وہ صرف دھمکی دے رہا ہے۔

اب کیا ہوگا؟" نوشیہ نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اب کچھ نہیں ہو سکتا گھر گیا۔ بابا جا رہے ہیں... آپ لوگ جشن منائیے!۔

نوشیہ؟" تڑپ کر ہاشمی چیخے۔

لیکن وہ وہاں رکی نہیں۔

دفعتہً کسی نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارا۔۔

وہ چونک کر مڑے۔ کمار کی مسکراہٹ ان پر طنز کرتی معلوم ہو رہی تھی!۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ تمہیں پتھر کے بت میں تبدیل کر کے چلی گئیں"

کمار یہ وقت مذاق کا نہیں۔" ہاشمی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "ہماری غفلت نے آج یہ دن دکھایا ہے کہ نوشیہ نہ صرف مجھ سے بلکہ سب سے بدگمان ہو گئی ہے"

یہ کہہ کر انھوں نے جلدی جلدی سارا ماجرا سنایا پھر بولے۔ "مگر میں۔ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی نفرت۔ اس کی بے رخی۔ طنز۔ شکوہ۔ کمار۔ خدا کے واسطے کچھ کرو۔ کچھ مشورہ دو۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

نبی بخش آخری سانسوں پر ہیں؟" کمار کا تبسم کافور ہو گیا۔ "چلو میں دیکھتا ہوں" اتنے میں عباس بھی آگئے۔ ان کے چہرے پر گہرا دکھ منجمد تھا۔

کیا ہوا؟" انھوں نے ہاشمی سے پوچھا۔

وہی۔ عباس بھائی۔ جو نہ ہونا چاہیئے تھا..." ہاشمی نے کہا۔

تینوں نبی بخش کے پاس پہونچے۔ نزہت اور چھ سات ملازم، نوشیہ۔ سب کے سب دروازے پر حواس باختہ کھڑے تھے! عباس کو دیکھ کر ہٹ گئے۔

نبی بخش اب قدرے ہوش میں تھا۔ اس نے عباس کو دیکھ کر ہکلاتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ اور لب ہلا کر رہ گیا۔

نبی بخش ... پریشان نہ ہو بابا۔ میں اپنی بہترین کوشش کروں گا۔"

عباس نے اس کے سینے پر آلہ سینہ بیں رکھ دیا!"

اب تو کمرے میں سب ہی تھے۔

مم۔ میری بچی ... اب اس کا کیا ہوگا ....." نبی بخش نے ہانپتے ہوئے کہا "نوشیہ کہاں ہے۔ اسے ... میرے پاس لاؤ۔ بیٹا۔ میں اسے دیکھ تو لوں۔ پھر۔ میں۔ کہاں آؤں گا اسے دیکھنے۔ اس سے کہو۔ مجھ سے نہ ڈرے آج۔ مہاجن کا۔ حکم۔ آ پہونچا۔ وہ پیسے لینے پر۔ آمادہ نہیں ہے۔ وہ کل دو بجے۔ گھر پر قبضہ کرنے آ رہا ہے۔ اللہ اللہ۔ وہ۔ بے سہارا ہو گئی" اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

عباس نے اسٹیتھس کوپ جیب میں رکھ لیا۔ اور اٹھ گئے۔

بڑا سخت دورہ پڑا ہے" انھوں نے چپکے سے کہا" اگر کل تک زندہ رہیں تو معجزہ سمجھنا! - بس ان پر خدا ہی رحم کرے۔!"

عباس بھائی" نوشیہ کراہ اٹھی۔

صبر کرو۔ بیٹی۔" عباس نے اس کی پیٹھ تھپکی اور لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے چلے گئے۔

ان کے بعد ہاشمی اور کمار بھی چل دیئے۔

نزہت نوشیہ کو لے گئیں۔ نبی بخش کے پاس دو ملازم اور بوڑھی خادمہ ظہورن رہ گئے۔ عباس نے محض تسلی کے لئے ایک دوا بھجوا دی۔ وہ سر تھام کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

ہاشمی برآمدے میں ٹہل رہے تھے!۔

"کاش۔ میں کچھ کر سکتا۔ کمار۔ سوچو۔ کہ میں کہاں سے تائیس ہزار لا سکتا ہوں۔ تمھارے پاس تین ہزار ہیں میرے پاس پانچ ہزار۔ اور مزید انیس ہزار نقد؟ اف اے خدا۔ میں کیا کروں؟ تم نے دیکھا۔ اس لعنتی پیسے نے بابا کی جان لی"

کمار کھڑکی میں کھڑے تیزی سے سوچ رہے تھے۔ انھیں پتہ تھا کہ نوشیہ کے لیے ہاشمی کے دل میں کتنی نازک کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔

"کمار" دفعتہً ہاشمی نے کمار کا بازو جکڑ لیا "میں اپنا باغ بیچ دوں گا۔ بلا سے کچھ بھی ہو"

"لیکن باغ تو۔ عباس بھائی کا ہے!" کمار کی آواز حلق میں پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

"وہ تو نوشیہ کے سب سے بڑے ہمدرد ہیں!" ہاشمی نے کہا۔

"پوچھ تو لو۔ ہاشمی۔"

"چلو میرے ساتھ!"

ہاشمی نے کپڑے تک نہیں بدلے۔ کمار کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گئے۔

نزہت کا چہرہ سفید تھا۔ کل جشن تھا۔ انھوں نے تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں، سب میں کارڈز تقسیم کر دیئے گئے تھے! اگر جشن ملتوی ہو جاتا تو وہ سب میں خفیف ہوتیں اگر جشن برپا ہوتا تو۔ نوشیہ کیا سوچتی؟

وہ سچ مچ پاگل ہو رہی تھیں۔ نوشیبہ بے حال اور بیہوش سی آرام کرسی پر پڑی سوکھی سوکھی سسکیاں لے رہی تھی۔

اسے پھر سے سب کچھ یاد آ رہا تھا! اپنا باپ۔ ماں۔ وہ تمام گھر جو پرائے ہو چکے تھے، یہ گھر۔ جو کل جانے والا تھا۔ ... جس نے بابا کی جان لی۔ یا خدا۔ میری بدنصیبی کبھی خوش نصیبی سے بدلے گی کہ میں زندگی بھر یونہی آہیں بھرتی سسکتی تڑپتی رہوں گی۔ ان کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا! —
کوئی دعا بھی اس کے ہونٹوں سے نہیں نکلی۔!

"نوشیبہ۔ دل کو سنبھالو" نزہت نے جیسے در پردہ خود کو تسلی دی "کیا تم خود کو اکیلی اور بے سہارا سمجھتی ہو۔ نوشیبہ۔ خدا کی قسم۔ اس کے کلام کی قسم۔ میں کبھی تم کو اکیلا محسوس نہ ہونے دوں گی۔ میری محبت پر بھروسہ کرو۔!"

"باجی۔ ابھی کل تک میں خود کو ایک لاکھ کی مالک سمجھتی تھی۔ نوشیبہ نے گلوگیر لہجے میں کہا "میں سوچتی تھی کہ۔ میں مکان فروخت کر دوں گی۔ .. نیا گھر لے لوں گی۔ کچھ تو مجھے اپنے مستقبل کی طرف سے اطمینان ہو گا۔ مگر یہ کیا ہو گیا باجی۔ سب نے مجھ سے یہ کیوں چھپایا؟ آپ نے دیکھی ہے آفتاب منزل؟ یہاں سے وہاں تک۔ تین منزلہ عمارت۔ کوڑیوں کے مول مہاجن کی ہوئی جا رہی ہے"

"میرے بس میں کچھ بھی نہیں۔ نوشی۔ کاش۔ میں کچھ کر سکتی تمہارے لیے"
نزہت کا ملال اور غم دوسری طرح کا تھا۔ انھیں عباس کے غصے کا بھی خوف ستا رہا تھا۔

پھر نوشیبہ ایک طویل سانس لے کر اٹھ گئی "اچھا باجی۔ یہ غم اور سہی۔

میں باباکے پاس جاکر بیٹھتی ہوں ۔ ان کی زبان بند ہو چکی ہے ۔ وہ کہہ نہیں سکتے ۔ مگر ان کی نظریں مجھے ڈھونڈتی ہوں گی ۔"

نوشی " وہ ہچکچاکر بولیں " میں تمھیں کیسے اجازت دوں ۔ پتہ نہیں وہاں کی کیا کیفیت ہو گی .... تم ڈر نہ جاؤ ۔"

" دو آدمیوں نے میرے سامنے دم توڑا تھا باجی ۔ اب یہ بھی سہی ۔ اچھا ہی تو ہے بار بار موت کو قریب سے دیکھوں گی تو موت سے ڈرنا چھوڑ دوں گی مجھے صرف ایک ندامت ہے کہ آپ ہی لوگوں کو باباکی تجہیز و تکفین کرنی پڑے گی !"

وہ چلی گئی ۔ نزہت کے دل پر پھر برف گرنے لگی تجہیز و تکفین ۔؟ ان کے جسم سے پسینہ بہنے لگا ! کیا سچ مچ نبی بخش مر جائیں گے ۔"

"آپ کو بڑے سرکار اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں ۔" ملازم نے کہا ۔

"بڑے سرکار ۔" نزہت کانپ اٹھیں ۔" ارے کیا انھیں ابھی کچھ کہنا باقی ہے ۔

ایمبولنس آنے والی ہے ۔ صاحب ۔ باباکو ہسپتال لے جانا ہے ۔ ملازم بولا ۔

عباس پشت پر دونوں ہاتھ باندھے ٹہل رہے تھے ۔ نزہت کو دیکھا تو وہ اسی جگہ کھڑے ہو گئے ۔ بڑی بدحال وحشت زدہ اور خائف نظر آ رہی تھیں

"آپ نے مجھے بلایا تھا ۔" بمشکل وہ بولیں ۔

"پاگل کر دو گی تم مجھے ۔" عباس نے خونخوار لہجے میں کہا ۔" ہمیشہ اپنی من مانی کی اور مجھے انجام بھگتنا پڑا ۔"

"کیا پتہ تھا کہ عین وقت پر نبی بخش ——— !" نزہت نے کہنا چاہا ۔

"وہ نبی بخش بوڑھے تھے ہر وقت مر سکتے تھے ۔ تم بتاؤ ۔ لڑکی سے کیسے کہہ سکو گی ۔

اسے دلاسے دے دے کر ہم نے دھوکا دیا ہے۔"

میں کیا کر سکتی تھی؟

کل کا جشن ملتوی کر دو۔" عباس نے کہا۔" یاد رکھو کہ ہاشمی کو بھی ناگوار ہو گا۔ اور نوشیہ تمھیں پرلے درجے کی ظالم سمجھے گی!"

سب کو چار دن پہلے ہی رقعے پہونچ چکے ہیں!" نزہت نے دبی زبان سے کہا۔

نزہت۔ تمھاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔" عباس نے گرج کر کہا۔" نوشیبہ پر وقت پڑا ہے۔ ایک آدمی بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ تم جشن مناؤ گی شادیانے بجاؤ گی۔۔۔؟"

نزہت کچھ نہ بولیں۔

دفعتہً وہاں نوشیہ آگئی۔

عباس بھائی۔ کیا بابا کے لیے ایمبولنس آرہی ہے؟"

"ہاں بہن۔۔۔ میں نے کیرو مین انھیں دے دیا ہے۔ لیکن ان کا ہسپتال جانا بہت ضروری ہے۔ شائد وہ ہسپتال جا کر اچھے ہو سکیں!"

اتنے میں کمپاؤنڈ سے ایمبولنس کا ہارن گونجا۔

وہ آگئی ہے۔" عباس نے کہا۔" تم پریشان مت ہو۔ میں بھی وہاں رہوں گا۔

عباس بھائی۔" نوشیہ ایک ہچکی سی لے کر رہ گئی۔

کیا کہنا چاہتی ہو۔ نوشیہ۔؟" عباس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

عباس بھائی۔" نوشیہ کے آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے۔" اگر بابا کو ہوش آئے تو انھیں تسلی دے دیجیے گا کہ۔ گھر۔ مہاجن کے قبضہ میں نہیں گیا! شاید وہ سکون سے جان دے سکیں۔"

عباس بہت متاثر ہوئے۔ وفورِ تاثر نے ان کی زبان بند کر دی۔

جب نبی بخش نیم مردہ جنازے کی شکل میں گھر سے لے جائے گئے، تب نوشیہ نے ضبط دشوار ہو گیا۔ عباس اسے سمجھانے لگے۔ جب وہ تمام لوگ چلے گئے۔ تو نوشیہ کی نظر نزہت آپا پر پڑی۔ وہ اب بھی بھبھوت اور دم بخود تھیں۔

"کوئی تشویش ناک بات ہے۔ باجی؟" نوشیہ نے پوچھا۔

"وہ تو بوڑھے آدمی ہیں۔ نوشی۔ بس اللہ انھیں صحت دے لیکن۔ تمھارے بھائی نے ان کی بیماری کا ملزم مجھے گردانا ہے۔"

"کیوں باجی؟ بیماری دکھی سب منجانب اللہ ہے۔"

"مجھ سے حماقت ہوئی۔ نوشی۔ ہاشمی اور ان کے بھیا کی مرضی جب نہیں تھی تو مجھے یہ تقریب کبھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اب کیا ہوگا۔ اُدھر بڑے میاں کی حالت اچھی نہیں اور اُدھر صبح سے مہمان آنے لگیں!۔"

"میں عباس بھائی سے کہوں گی۔ آپ کو موردِ عتاب گردانا اچھی بات نہیں۔ تقریب ضرور ہو گی۔"

یہ کہہ کر وہ تو چلی گئی مگر نزہت کے دل میں امید کا دِیا جلا گئی۔

ہسپتال سے شام تک کئی فون آئے۔ بس یہی پتہ چلا کہ بابا پر غشی کا عالم طاری ہے انھیں خطرے سے باہر نہیں کہا جا سکتا!

شام ہی کو ہاشمی اور کمار ہسپتال سے آئے!۔

"آپ نے انھیں دیکھا۔ کیسے تھے؟" نوشیہ نے کمار سے پوچھا۔ پہلی بار مخاطب کیا تھا۔

کمار گھبرا گئے۔ ہکلا کر بولے۔

"جی ہاں۔ اچھے تھے۔ لیکن دل کے بیمار ہیں۔ ابھی انھیں رو بصحت ہونے

میں بہت دن لگیں گے!"

ہاشمی نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" نوشیہ نے بے رخی سے پوچھا۔

"تمھیں اندیشہ تھا۔ نوشیہ" ہاشمی نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "تمھارا مکان مہاجن کے قبضہ میں چلا جائے گا!۔ لیکن وہ بے بنیاد ثابت ہوا۔ میں مہاجن سے ملا تھا۔ اس نے رقم لے کر گھر سے دستبرداری کا کاغذ لکھ دیا ہے۔"

"رقم کہاں سے آئی؟" نوشیہ نے لفافہ نہیں لیا۔

"مصطفیٰ" نزہت نے آواز دی "چائے تیار ہے۔ کمار کو بھی ساتھ لے آؤ۔"

"جی۔ میں منھ دھو کے ابھی آیا۔" ہاشمی نے لفافہ ڈریسنگ ٹیبل پر ڈال دیا اور چلے گئے۔ کمار بھی واپسی کے لیے مڑے تھے۔ مگر نوشیہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"کمار بھیا۔ آپ ذرا رکیں جائیے۔"

کمار کا دل بیٹھ گیا۔ وہ جانتے تھے کہ نوشیہ کردار اور مزاج کی بہت سخت ہے۔ انھوں نے اتنی مدت میں اسے مسکراتے تک نہیں دیکھا تھا۔

"سچ بتائیے۔ آپ کو اپنی مرحوم ماں کی قسم!" "یہ رقم ہاشمی صاحب نے کہاں سے فراہم کی ہے۔؟"

"بہن...... تم سچ کا سننا گوارہ نہیں کرو گی"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجیے"

"تمھاری پریشانی ان سے دیکھی نہیں گئی۔ انھوں نے اپنا ایک باغ بیس ہزار میں فروخت کر دیا"!

جشن کی رات تھی۔ روشنی و نور کے غلبہ سے دن کو شرماتی ہوئی رات سنی سائیڈ مہمانوں کے شور و غل قہقہوں میں ڈوب گئی تھی! آنے جانے والوں کو مکینوں کے احساسات کا کیا اندازہ تھا۔ عباس اتنے غصے میں تھے کہ وہ رات تک اپنے ہسپتال سے واپس نہیں آئے۔ نزہت کا دل بیٹھا جا رہا تھا؟ پتہ نہیں ادھر بابا کا کیا حال ہوگا۔ وہ رہ رہ کر کمرے میں آئیں اور دروازہ بند کر کے سر بسجود ہو جاتیں!

نوشیہ کا وجود غم و غصے کی آگ میں پھنکا جا رہا تھا! آخر پھر ہاشمی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ اس نے صبح سے انھیں تنبیہ کی تھی! اس کے باوجود وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی مسہری کے پائینتی بیٹھی اندھا دھند سوچے جا رہی تھی!۔

نزہت نے لڑکی کے ہاتھ اس کے ملبوس بھجوا دیئے تھے!۔ اس نے لباس فرش پر پھینک دیا اور زینے کا دروازہ کھول کر باغ میں اتر گئی۔

ہاشمی نے دیر تک خاموش انتظار کیا۔ شاید وہ زنانے دالان میں آئے لیکن جب صبر دوبھر ہو گیا تو وہ پچھلے برآمدے سے ہوتے ہوئے اس کے کمرے کے سامنے پہونچے اندر تاریکی تھی۔ انھیں لباس فرش پر پڑا دکھائی دیا پیچھے مڑے تو باغ کے دھندلکوں میں گم نوشیہ بھی نظر آ گئی۔

تنہا، اداس مغموم۔ ہاشمی کے دل پر گھونسہ سا لگا!۔

چپکے چپکے وہ بھی زینہ اتر کر نیچے پہونچ گئے۔

نوشیہ حوض کی منڈیر سے سر ٹیکے بیٹھی تھی۔ اس کی مدھم سسکیاں فضا میں ابھر رہی تھیں۔ وہ یہاں خود تنہا سمجھ رہی تھی۔ ہاشمی نے اس کے اشکوں میں گھلے ملے الفاظ سنے۔

"پیارے ابا۔ آپ کو یاد بھی نہ ہو گی میری دسویں سالگرہ کی رات چاند ستارے زمین پر اتر آئے تھے۔ امی۔ آپ کیوں اس دنیا سے چلی گئیں۔ آج میں کسی کو اپنا نہیں کہہ سکتی۔ بابا بھی ساتھ چھوڑ رہے ہیں یا اللہ۔ کیوں مجھے کنگال کر کے دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ کیا میں تیری مخلوق نہیں۔ کیا میں تجھے یاد نہیں۔ تو نے سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ تو ہی تو میری ماں ہے۔"

وہ سسکیوں سے ہچکیوں پر اتر آئی۔

نوشیہ؟" ہاشمی کے آنسو ان کے سینے میں گھٹ گئے۔

نوشیہ نے سر اٹھایا اور ہتھیلیوں میں آنسو سمیٹ لیے۔

"ہم لوگ تمہارے کوئی نہیں۔ نوشیہ؟ نہ باجی نہ عباس بھائی۔ یہ سب جو تم سے اتنی محبت کرتے ہیں۔ ہمیں اپنا نہیں سمجھتیں تم۔ آج مصنوعی خوشی کا دن ہے اور تم ویران تاریکیوں میں اکیلی آنسو بہا رہی ہو؟"

اپنی ذلت پر ہر انسان آنسو بہانے لگتا ہے!

ذلت؟ ... کیسی ذلت۔ ؟"

"ہر بار آپ مجھے باور کراتے ہیں کہ تم مفلس ہو۔ میرے رحم و کرم پر ہو میں اپنے مکان کی تباہی پر صبر کر لیتی۔ آپ نے اپنا باغ فروخت کر دیا۔ کیا آپ سمجھتے تھے۔ میں خوش ہو سکوں گی؟"

"تمھاری خوشی ہی کے لیے میں نے یہ سب کہا ہے۔ نوشیہ۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے مخلصانہ جذبات کو تم ابھی تک نہیں سمجھ سکیں معلوم نہیں تمھیں کیا غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں دیکھتا ہوں تم مجھ سے بدظن رہتی ہو۔ یہ صورت حال میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ کیا میں پوچھ نہیں سکتا!۔ تم مجھ سے بدگمان کیوں رہتی ہو؟"

"نہ مجھے حسن ظن کی ضرورت ہے نہ بدگمانی کی" نوشیہ نے سرد لہجے میں کہا۔ "مجھے باجی لائی ہیں۔ اگر وہ میری تباہی یا اچھائی کی ذمہ دار نہیں تو آپ کیسے ہو گئے ہیں۔ آپ کو میری کیا فکر ہے؟۔

"نوشیہ یہ تم نے کیسا انداز اختیار کر لیا ہے۔ میرے احساسات کو غلط فہمی کا جامہ پہنا رہی ہو۔ اگر میرا کوئی دوست کسی ناگہانی آفت میں گرفتار ہوتا تو کیا میں اس کی مدد نہ کرتا؟"

میں آپ کی دوست نہیں!۔

میں دشمن بھی تو نہیں سمجھتا!۔

"میں سمجھتی ہوں۔ دشمن!" نوشیہ کے دل میں لاوے کھول رہے تھے "دوست اپنے دوست کی بربادی پر خون کے آنسو روتا ہے۔ جشن نہیں مناتا آپ اپنے سراپا پر نظریں ڈالیے۔ یہ قیمتی ملبوس شاہانہ دستار، گلے میں سچے موتیوں کے ہار۔ اندر باہر۔ خوشیوں کے سیلاب۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ رونے بیٹھ جاتے!"

تم بالکل سچ کہتی ہو۔ نوشی" برا ماننے کی بجائے ہاشمی مسکرانے لگے "اگر تم مجھے اپنا نہ سمجھتی ہوتیں تو یہ سب کیوں کہتیں۔ تم نے سنا نہیں۔ ایک شعر ہے ؎

تم کو بیگانہ گر سمجھ لیتے ۔
شکوۂ غم بھلا کہاں کرتے ؟ ۔

مجھے افسوس ہے ۔میں نے باجی کو منع نہیں کر دیا ۔ وہ یہ سارا فضول اہتمام نہ کریں ۔ دراصل میں ان کا ایک ہی تو بھائی ہوں ۔ اماں کے مرنے کے بعد بہت طویل عرصہ جدا رہ کر ان سے ملا ہوں ۔ وہ اپنی مامتا کے اظہار سے باز نہ رہ سکیں ! اگر اس سے تمہاری دلشکنی ہوتی ہے تو میں یہ سب اتارے دیتا ہوں ۔ نوشیہ ۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ لباس دستار اور ہار میں نے باجی کی خوشنودی کی خاطر پہنے ہیں ... خود سے نہیں پہنے !"

انھوں نے اپنی شیروانی اتاری ۔ دستار سر سے الگ کی ۔ گلے سے ہار نکالے اور سب کچھ وہیں سہرے پر پھینک دیا ۔ پھر بے حد سادہ لہجے میں بولے ۔

"تمہاری مرضی میری خوشی ہے نوشیہ ۔ اب تو تم خوش ہو ؟"

کیوں آخر کیوں ۔ وہ یکبارگی بدحواس ہونے لگی ۔ کیا سوچیں گے سب لوگ ۔ اس کی خائف و محجوب نظریں ہاشمی کی نظروں سے ملیں ۔ اگر نوشیہ تباہ تھی تو ہاشمی بھی کچھ کم مضطرب نہیں تھے ۔ ان کی سیدھی سادی نظروں میں نوشیہ کو برباد ویرانوں اور بھیانک سناٹوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا ۔ اس نے سہم کر پلکیں جھپکا لیں ۔

"مجھے معاف کر دیجئیے ۔" اس نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا ۔" دراصل میں بابا کی علالت سے بہت پریشان تھی ۔ شور و غل نے مجھے بے چین کر دیا تھا ... میں نے یہ سب کچھ آپ سے کیوں کہہ دیا ؟"

تم نے اچھا کیا ۔ نوشیہ ۔ دل کا بوجھ ہلکا کیا ۔ میں نے ہرگز برا نہیں مانا ۔

بلکہ میری تو یہ درخواست ہے کہ خدارا تم مجھے اپنا سمجھو۔ اپنا سارا دکھ درد مجھے دے دو!"

ہاشمی؟ ۔" کسی نے برآمدے سے پکارا۔

اور سب کچھ وہیں گھانس پر پڑا چھوڑ کر ہاشمی لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے۔ نوشیبہ یوں نفرت زدہ نگاہوں سے ان کے ملبوس کو دیکھ رہی تھی جیسے ناگ کنڈلی مارے بیٹھا ہو۔

ہاشمی کا پر درد بھکاری لہجہ اسکے کانوں میں رو رہا تھا۔

"خدارا تم مجھے اپنا سمجھو۔ اپنا سارا دکھ درد مجھے دے دو"

اس محفل امراء میں نزہت نے خاص طور پر کنزر بکٹر صاحب کے معزز خاندان کو مدعو کیا تھا!۔ انکا یہ مقصد تھا کہ کسی طرح وہ ہاشمی کو فرخندہ سے متعارف کرا دیں۔ وہ بہت بن ٹھن کر آئی تھی کم از کم اس کا لباس نزہت کے تیار کردہ لباس سے زیادہ قیمتی اور شاندار تھا!۔ گلے میں سونے کا بڑا سا ہار جگمگا رہا تھا!۔ انگلیوں میں ہیرے اور یاقوت کی انگوٹھیاں تھیں۔ جب سے آئی تھی۔ ایک ہی پہلو سے ایک صوفہ پہ بیٹھی بڑی حقارت بھری دلچسپی سے یہ ساری چہل پہل دیکھ رہی تھی!۔ مردانے میں کنزربکٹر صاحب بھی موجود تھے! نوشیبہ کے خیال سے نزہت نے ورشا کو بھی مدعو کیا تھا۔ جشن میں گئی اور دلچسپی کے پہلو بھی تھے۔ مگر ورشا کو پوشیدہ ویرانی نگلے لیتی تھی۔ وہ متواتر یہی سوچے جا رہی تھی کہ اب نوشیبہ کوئی عملی قدم ضرور اٹھائے گی!۔

وہ محفل سے غائب تھی۔ ادھر "نواب" ہاشمی کی منگیتر جلوہ افروز تھیں!۔

ورشا الجھن میں مبتلا تھی۔ اسے نزہت نے بلا لیا۔

"بہن۔ میں تو پچھتا رہی ہوں۔ یہ جھگڑا پھیلا کے۔ میرا منہ نہیں جو میں نوشی کے سامنے جا سکوں۔ تم کسی طرح اسے بہلا سمجھا کر یہاں لاؤ۔ کیا سوچے گی دل میں کہ میں نے اسکی خبر نہیں لی۔ اس کا لباس جیسے کا تیسا کمرے میں پڑا ہے نورن کہہ رہی تھی کہ وہ باغ میں ہے۔ تم دیکھ لیتیں!"

بابا کیسے ہیں ؟ ۔"

آکسیجن دی جا رہی ہے !۔

میں نوشی کو سمجھاؤں گی باجی ۔لیکن وہ محفل میں آنا پسند نہ کرے تو بُرا نہ مانیئے گا !۔

ورشا نے نوشیہ کو عجیب حال میں دیکھا ۔ بالکل ضعف جاتی سی طاری تھی ۔ اس سردی میں بھی اس کا جسم پسینے میں تر ہو رہا تھا ۔ پیشانی پر پسینے کے موتی چمک رہے تھے ۔ آنکھیں نیچے کیئے سر پیچھے ٹیکے وہ ہلکی ہلکی سانسیں لے رہی تھی ۔ ورشا نے بیحد حیرت سے ہاشمی کے کپڑے دیکھے جو ڈھیر کی صورت میں بستر پر پڑے تھے ۔

کیا بات ہے ۔ نوشیہ ؟ ۔" ورشا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی ۔

تقدیر کا افسانہ ہے ۔ ورشا ! الجھ گیا ہے !۔"

ہاشمی صاحب خفا ہو گئے تم سے ؟ ۔

کیا میں نے ان کی کوئی جاگیر ماری ہے ؟ ۔

پھر یہ لباس ۔ ؟

" ہاں یہ اظہار امارت کا ایک پر رعب مظاہرہ ہے ۔ کبھی کبھی میں بھی ملازموں کو ہراساں کرنے کے لیئے ایسا ہی کیا کرتی تھی ۔ کپڑوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی یا کھانا فرش پر پھینک دیا ۔"

" مجھے تو باجی کی یہ تقریب ایک آنکھ نہیں بھاتی ۔"

تم ہوتی کون ہو ایسا کہنے والی ۔ !

" مجھے باجی ہی نے بھیجا تھا ۔ تمہیں لباس پہناؤں ۔ محفل میں لاؤں ۔ !"

ان کے حکم کی تعمیل میں دوڑی آئی ہو ؟ ۔

کہہ دیا تھا میں نے کہ ۔ اگر نوشیہ نہ آئی تو محسوس نہ کیجیے گا !۔

تم نے ہاشمی صاحب کی منگیتر کو بھی دیکھا ؟

منگیتر ؟ ۔" ورشا نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا ۔

وہ جو ریڈیوگرام کے پاس والے دیوان پر متمکن تھیں۔ زرد فارن سلک کے لباس میں ملبوس ہیں
منگیتر ہیں" ان کی؟۔
اچھی لگیں؟۔
کیوں؟"
" یونہی پوچھ لیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں جو احساس برتری کی چمک ہے۔ اسکا
مقابلہ کرنا میرا کام نہیں تم جاؤ اور باجی سے کہہ دو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں!"
اس طرح کیا سوچتی رہو گی۔ نوشیہ۔ کب تک سوچو گی؟"
یہی میں بھی سوچ رہی تھی سوچنے سے مستقبل کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔ میرے سارے
دروازے بند ہیں۔ نہ زر ہے نہ روزی ہے صرف بی۔اے کی سند کیا کام دے گی؟۔
دماغ کی رگیں ٹوٹی جا رہی ہیں"
سب کچھ بھول جاؤ نوشیہ۔ تھوڑے دن یہی ماحول سہی پھر بھگوان کوئی اور صورت نکالے گا!
وہ ہنسنے لگی" مجھے تمہارے بھگوان اور اپنے خدا پر بالکل بھروسہ نہیں۔ اس نے تو صورت
نکالنے کی بجائے رہی سہی صورتیں بھی چھین لیں!"
اندر سے شور و غل کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ ورشا اصرار کرتی رہی کہ نوشیہ کم از کم
نزہت کی طرح جشن میں شامل ہو جائے لیکن اس نے انکار کیا تو اسی پر جمی رہی۔
ورشا ہاشمی کے ملبوس سمیٹ کر اوپر آئی۔
راہداری میں ہاشمی اور دلکمار بے حد پریشان کھڑے دکھائی دیئے۔
آپ کا لباس۔ ہاشمی صاحب!" ورشا نے کہا۔
" ادھر رکھ دو بہن" ہاشمی نے مضطربانہ انداز میں کہا" نوشیہ کہاں ہے؟۔
کیوں؟"
ہسپتال سے فون آیا ہے نبی بخش صاحب کا انتقال ہو گیا!" ہاشمی نے اپنے بال مٹھی میں

جگر ٹیسے۔ آر۔ ایم۔ او تاکید کر رہا تھا کہ جلد تر لاش حاصل کر لی جائے۔ اس بستر پر دوسرا بیمار آنے والا ہے۔ یہاں یہ طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ میں کیا کروں؟

درشا سہم گئی "باجی کو معلوم نہیں کیا آپ نے؟"

وہ خواتین میں بیٹھی ہوں گی۔ میں ادھر کیسے جا سکتا ہوں؟"

آپ انھیں یہاں بلا لائیے" کمار نے کہا۔

اچانک بڑے زور سے کمپاؤنڈ میں گاڑی کا ہارن بجا۔

اُف" کمار نے تڑپ کر کہا "معلوم ہوتا ہے۔ عباس بھائی لاش لے آئے۔!"

رام رام رام" درشا نے اندھیرے باغ میں جھانکا اور بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ ایک پشتینی ملازم کی موت سے نواب ہاشمی کا استقبالیہ جشن درہم برہم ہو گیا تھا۔ کنڈیکٹر صاحب کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ مہمان متحیر تھے۔ عورتیں خائف۔ نزہت کو سکتہ ہو گیا تھا۔ نوشیہ زار زار روتی ہوئی آئی اور بنی بخش پر گر پڑی۔!

اس کی شخصیت بکھر کر رہ گئی تھی۔ اسنے ہزار چاہا کہ اپنے حواس مجتمع کرلے لیکن وہ پاگل ہونے لگی تھی۔ نہ اسے کسی کا احسان لینا گوارہ تھا نہ یہ پسند تھا کہ وہ عباس یا نزہت کے رحم و کرم پر زندگی گزارے۔ فرخندہ کی وہ نگاہیں یاد آتیں۔ جو اسنے طنز و تحقیر سے معمور اس پر ڈالی تھیں!۔

اب وہ پل بھر بھی یہاں رکنے پر تیار نہیں تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ وہ سبکی نظروں میں اپنے لیے حقارت دیکھ رہی تھی۔

حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ وہ عباس و نزہت کی کچھ اور محبوب ہو گئی تھی۔ جب وہ ہفتہ بھر کے دماغی بخار کے بعد ہوش میں آئی تو اپنے پاس سب کو دیکھا۔ عباس اس پر جھکے ہوئے تھے۔ ہاشمی

پہلو میں بیٹھے تھے۔ کمار بھی تھے اور ورشا بھی۔ نزہت اس کا سر گود میں لئے بیٹھی تھیں۔
اب کیسی ہو۔ نوشی۔ خدا کی پناہ۔ تم نے تو ڈرا دیا تھا۔" عباس نے کہا تھا۔
بس شور برے کے ابھی آیا۔" ہاشمی کا انداز والہانہ تھا۔
ورشا فرطِ مسرت سے رونے لگی۔
نزہت نے جھک کر اسکی پیشانی چومی تھی!۔
مجھے کیا ہوا تھا۔ باجی۔" ذرد اور آنسو اسکے لہجے سے برس رہے تھے!۔
کچھ نہیں۔ اٹھ بیٹھو۔ ایسی بھی کیا پریشانی ہے۔" نزہت نے کہا۔ عباس نے اسکے ایک انجکشن دیا
اور دلدہی کی باتیں کرتے رہتے تھے! پھر ہاشمی جوس لائے۔ کمار نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اس ہیڈ بوم نرس نے مندیانہ نرس کو شکست دے دی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ انھوں نے
جرمنی میں کچھ نرسنگ بھی سیکھی ہے!"
مفت کا ہیڈ میل ہوں۔ اجرت میں کچھ نہیں ملتا!" ہاشمی نے جواب دیا۔
جب عباس اور نزہت چلے گئے۔ تب ہاشمی، کمار اور ورشا میں جنگ ہونے لگی۔ نوشیہ نے سینے
تک لحاف سرکا لیا اور نیم خوابیدہ احساس میں انکی باتیں سننے لگی۔ اسے اندازہ لگانے میں دشواری
نہیں ہوئی کہ کمار اور ورشا ایک دوسرے سے بہت زیادہ بے تکلف ہو چکے تھے! اگر کمار کی گونجیلی
ہنسی کمرے میں ابھرتی تو ورشا کا سریلا قہقہہ بھی اسکے کانوں سے ٹکراتا۔ اس دنیا میں سب خوش قسمت
اور مسرور ہیں میرے سوا۔ نوشیہ نے بیحد حسرت سے سوچا۔
کیا پھر مراقبہ میں چلی گئیں" ورشا نے نوشیہ کا کندھا ہلایا۔
میں نے محسوس کیا ہے کہ تم دونوں بہت فصیح اور صحیح اردو بولنے لگے ہو۔" ہاشمی نے کہا۔
بھیا کیا آپ نے مجھے وٹر اور ڈنسل سے سمجھ رکھا تھا؟" ورشا تیکھی ہو کر بولی۔ "بولنے لگے ہو۔ کیا
مطلب؟ کیا اس سے پہلے آپ نے مجھے غلط سلط اردو بولتے سنا تھا؟"
حسد نہ کرو" کمار نے کہا "تم چاہو تو ہم سے سبق لے سکتے ہو۔ روز دس منٹ پڑھا دیا کریں گے

ہفتہ بھر میں صیقل ہو جاؤ گے!"

"صیقل؟" ہاشمی نے اچک کر کہا "کیا مطلب؟"۔

"مطلب یہ کہ قلعی ہو جائے گی آپ پر" کمار بولے۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ قلعی گر ہیں" ہاشمی نے منہ سکھا کر کہا۔

"تانبے کے بدقلعی برتنوں سے آج تک میرا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا" کمار نے کہا۔

"چپک گئی۔ ہاشمی بھیا پر" ورشا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"وہ خیر چپکی ہوگی۔ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کو کمار صاحب کی تائید میں ہنسنے کی اجازت کس نے دی ہے" ہاشمی نے پوچھا۔

"اے واہ خواہ مخواہ کبھی" ورشا نے دھاندلی کی۔

"تمہیں ناشناس کے معنے کمار بھیا کو معلوم نہیں ہیں!" نوشیہ نے کہا۔ یکبارگی سب ہنس دیئے۔ ورشا بھونچکا سی ایک ایک کو تکتی رہی۔ اسکے ہونق پن پر وہ از سر نو ہنس پڑے۔ پھر کمار نے بڑھ کر نوشیہ کی نبض دیکھی اور سیدھے کھڑے ہو کر انگڑائی لی۔

"بڑے سول سرجن کی دم بنے ہیں۔ کیا دیکھ رہے تھے نبض؟" ہاشمی نے للکارا۔

"خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اب نوشیہ بہن کو بخار بالکل نہیں" کمار نے کہا۔

"ہاشمی بھیا کی دعا عباس بھائی کی دوا بہرحال بیکار نہیں گئی۔" ورشا نے کہا۔

"کونسی ایسی قیمتی زندگی ہے۔ جاتی کہ رہتی" نوشیہ بولی۔

"قدر و قیمت تو ہمارے دل سے پوچھو۔ بس نہ تھا جو تمہاری چارپائی کے گرد پھر کے تمہاری بیماری خود لے لیتے؟" کمار نے کہا۔

"کون، آپ" ورشا نے تعجب سے آنکھیں پھیلائیں۔

"اچھا۔ میں نہ سہی۔ کوئی اور سہی" کمار نے کہا۔

کچھ دیر بکواس کر کے دونوں دوست سدھارے تو کمرے میں ورشا نوشیہ کے پاس رہ گئی۔ وہ اسکے

پہلو میں گھس کر بیٹھ گئی اور آنکھیں چمکا کر بولی "سچ کہتی ہوں۔ نوشی میں نے اس پورے ہفتے میں ہاشمی صاحب کی بیقراری دیکھی۔ ایک مرتبہ تمہارا ٹمپریچر ہائی ہو گیا تھا۔ وہ تو روئے تھے۔ میں سچ کہتی ہوں۔ نوشبہ۔ انھیں تم سے بے پناہ محبت ہے۔ تم ذرا اشارہ کر دو تو وہ تمہارا ہاتھ ہمیشہ کے لیے تھام لیں۔"

"ہوں۔ تو اب میں ان لوگوں کے درمیان پہاڑ بنوں گی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم سطحی باتیں کرتی ہو۔ جشن کی رات تم نے ان کی منگیتر کو کبھی دیکھا تھا؟ نوشبہ تم محبت کی نگاہیں نہیں پہچانتیں؟" ورشا نے سنبھالا لیا۔

"میں پہچاننا بھی نہیں چاہتی۔ مجھے اپنے پر کیے ہوئے احسان زہر لگتے ہیں۔ میں ان کی تمام مراعات کو واپس لوٹانا چاہتی ہوں۔ اب مجھے گھر بار روپئے پیسے کسی چیز کی بھی حاجت نہیں! میں اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو جاؤں گی۔ ابھی میری عمر سرکاری ملازمت کی ہے۔ میں کچھ اچھی ہو جاؤں تو ملازمت تلاش کر لوں گی!۔"

"باجی اور عباس بھائی تمھیں اس کی اجازت دے بھی دیں گے؟"

"میں ان سے پوچھوں گی۔ اگر وہ میرے ٹکڑوں پر پڑے ہوتے تو ان کی غیرت کا تقاضہ کیا ہوتا؟"

"کہہ سکو گی اس طرح؟"

"اچھی طرح؟ اگر چاہو تو سن لینا اپنے کانوں سے؟"

"ایک بات پوچھوں۔ برا نہ مانو تو۔"

"برا مانوں گی تو کہہ دوں گی کہ بات بری لگی۔ کہو تم!"

"کیا تمھارے دل میں ہاشمی صاحب کی بالکل قدر نہیں؟"

"اچھا کیا کہ تم نے صاف صاف محبت کا نام نہیں لیا" نوشبہ ہنسنے لگی "ورشا۔ میں کب کہتی ہوں کہ مجھے اچھے آدمیوں کی قدر نہیں۔ وہ بہت اچھے ہیں، صورت

ہیں لاجواب۔ سیرت میں بے مثال۔ تعلیم یافتہ۔ دولت مند۔ مخلص۔ ہنس مکھ
مجھے وہ بہت پسند ہیں!"

تو پھر۔!"

تو پھر کے آگے فل اسٹاپ۔ جو چیز پسند ہوتی ہے۔ اسے دور ہی سے
دیکھنا چاہیئے۔ حاصل کرنے کے بعد اس کی دلکشی ختم ہو جاتی ہے...

الٹا فلسفہ ہے!۔ اچھا اگر وہ فرخندہ بیگم کے منگیتر نہ ہوتے؟

کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں تب بھی ان سے گریزاں رہتی۔ کیونکہ وہ امیر آدمی
ہیں۔ نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی۔!

تم بھی تو تھیں لکھ پتی!۔" ورشا روہانسی ہونے لگی۔

" وہ ماضی کا صیغہ بن چکا۔ اب میں کیا ہوں۔ تم یہ دیکھو!۔ میں یہ نہیں برداشت
کر سکتی کہ کوئی مجھے سہارا دے اور تمام عمر کہتا پھرے کہ اگر مجھے دولت کا سہارا نہ
ملتا تو میں برباد ہو جاتی۔ ورشا معاف کرنا۔ تم بہت سے وسیلے بہت سے ذریعے
رکھتی ہو۔ تمھارا کنبہ ہے۔ تمھارے سر پر ماں باپ بڑے بھائی بھاوج موجود
ہیں۔ تمھیں مالی وسائل حاصل ہیں۔ اس لیے میرا فلسفہ بہت مشکل سے تمھاری
سمجھ میں آئے گا۔ تم اس آدمی کے دماغ سے سوچو جو دنیا میں اکیلا ہے۔ جس کا کوئی
ذریعہ نہیں۔ اور کوئی مددگار نہیں ہے۔ جسے اپنا کنواں آپ کھودنا آپ پانی پینا ہے!"

" انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ نوشیہ۔ تم تو عجیب اکل کھری ہو!"

" میں ہمیشہ دینے کے لیے ہاتھ بڑھاتی رہی ہوں۔ ورشا۔ لینے کے لیے ہاتھ
نہیں بڑھا سکتی!"

" اچھا خیر۔ اب غصے میں نہ آؤ۔ چہرہ تمتمانے لگا ہے۔ میں تمھیں دکھ پہونچانا
نہیں چاہتی۔ جو خدا چاہے گا وہ ہو کر رہے گا۔ تم اب اٹھو۔ گرم پانی سے غسل

کر کے کپڑے بدل لو۔ میں تمھارے لئے ہلکا سا ناشتہ لے آؤں!"

ورشا اپنا فرض پورا کر کے گئی تو نوشیبہ باہر نکلی۔ بچے مدرسہ جا چکے تھے سامنے نزہت بھی دکھائی نہیں دیں وہ لائبریری کی طرف چل دی۔ عباس اگرچہ کہ ڈاکٹر تھے لیکن اس کا ادبی ذوق بہت معیاری تھا۔ ایک الگ تھلگ کمرے میں انھوں نے بہت ساری کتابیں سجا رکھی تھیں۔ نوشیبہ کا دل یہاں بہت لگتا تھا عباس نے اس کی دلچسپی دیکھتے ہوئے کمرے کی کنجی بھی اسے دے دی تھی!۔

راہ میں اسے نزہت کے ڈرائینگ روم سے ایسی آوازیں سنائی دیں۔ جیسے وہاں خاصی جنگ برپا ہو۔ وہ ان سنی کر کے لائبریری میں داخل ہوئی۔ یہ کمرہ نزہت کے دیوان خانے سے ملا ہوا تھا۔ نوشیبہ نے پردہ برابر کر دیا اور کرسی پر آ بیٹھی۔

نزہت کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی "تمھاری ضد کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ یہ تو میں نے مدتوں سے طے کر رکھا تھا۔ تمھیں تمھارے خط میں بھی یہ بات لکھ دی تھی! تب تو تم نے اس سلسلے میں ایک لفظ نہیں کہا۔ اب کیوں اپنی ضد پر اڑ گئے ہو—!"

باجی۔ آپ نے مجھے بالکل بچہ سمجھ رکھا ہے۔" ہاشمی کی تند آواز سن کر نوشیبہ سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کمار کے ساتھ گھومنے جا چکے ہوں گے۔ ہاشمی کہہ رہے تھے!" یہ کبھی تو سوچیئے۔ میری بھی کوئی مرضی ہے۔ میری بھی کوئی پسند ہے!"

"تو میرا خیال سچ ہے کہ تم نے ولایت میں ——!"

"ولایت کا نام نہ لیجیے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ وہاں کی بدکردار عورتوں کو میں نے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں"

"تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم میری پسند میں کیڑے ڈال رہے ہو؟"

واقعی آپا کو فرخندہ بیگم ایسی ہی پسند ہیں؟!۔

ان میں کونسا عیب ہے جس پر انگلی رکھی جاسکتی ہے۔ ویسے بے عیب ذات خدا کی ہے۔ میں نہیں کہتی کہ وہ فرشتہ ہے۔ بظاہر دیکھو تو وہ اس قابل ہے کہ پسند کی جاسکے۔ اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہے۔ لاکھوں کی وارث ہوگی۔ صورت شکل بری نہیں۔ بی۔اے ہے۔ عمر بھر زیادہ نہیں شاید بیس سے دو تین برس اوپر ہو"

"وہ ملکہ قلوپطرہ سہی" ہاشمی نے کہا "مگر کیا ضروری ہے کہ جس آدمی کو آپ پسند کریں اسے لا محالہ میں بھی پسند کروں۔ آپ نے اندازہ نہیں لگایا۔ کیا غرور اور نخوت ہویدا تھا ان کی پیشانی سے۔ اس طرح تکبرانہ انداز میں وہ مجھ سے ملی تھیں۔ جیسے میں ان کا زرخرید غلام تھا!"

"تم نے شروع ہی سے اس لڑکی سے بغض باندھ لیا ہے نا۔ اب تو سیدھی سادی باتوں میں بھی خامیاں نکالو گے"

"میں کیوں بغض باندھنے لگا۔ کونسی میری جاگیر انھوں نے مار لی ہے"

تمھاری وجہ سے میں بڑی مشکل میں پڑ گئی ہوں۔ اس دن ناصر علی خاں صاحب نے مجھ سے پھر پوچھا تھا کہ اس نسبت کی تجدید اور اعلان میں کیا قباحت ہے۔ کتنی دیر ہے۔ میں نے کہا تھا کہ کچھ دیر نہیں۔ ابھی ذرا گھر میں کچھ بے چینی ہے۔ چار چھ روز ٹھہر کے جواب دوں گی۔ اتنے دن گزر چکے۔ ان کا آدمی تین چار چکر لگا گیا ہے۔ ایک دفعہ بھی تمھارے بھائی کے نام لایا تھا جس میں تاکید سے کہا گیا تھا کہ اگر جلدی منگنی نہ کی گئی تو پھر وہ مجبور ہو جائیں گے کہ کہیں دوسری جگہ اپنی لڑکی کی نسبت کر دیں"

زہے قسمت۔ زہے قسمت" ہاشمی خوش ہو گئے۔ ارے وہ بصد شوق دوسری جگہ نسبت کرلیں۔ اس ناچیز کا پیچھا چھوڑ دیں"
لیکن وہ ایسا نہیں کریں گے۔
کیوں۔
تم ناصر صاحب اور فرخندہ بیگم کو بہت پسند ہو؟۔
لاحول ولا قوۃ۔ دونوں کا معیار گھٹیا معلوم ہوتا ہے!۔
نوشیہ کو ہنسی آ گئی۔ نزہت نے بدستور خشک لہجے میں کہا" ان کی پسند نا پسند سے سروکار نہیں۔ تمھیں میری خواہش کا پاس و لحاظ کرنا چاہیئے۔ میں یہی چاہتی ہوں کہ تم فرخندہ سے شادی کرلو۔ مجھے وہ لڑکی بہت اچھی لگتی ہے۔
" معاف کیجیے گا باجی۔ مجھے پھر کہنا پڑے گا کہ آپ کی پسند کا معیار بھی نہایت تھرڈ کلاس ہے"
اچھی بات ہے۔ مجھ سے کوئی واسطہ نہیں" نزہت نے ترپاہٹ استعمال کی"
" اب اگر تمھاری شادی وادی کا نام بھی لوں تو گنہگار۔ تم جانو۔ تمھارا کام جانے"
باجی۔ باجی۔ ارے۔ ارے۔ یہ کیا آپ تو خفا ہو گئیں۔ سنیئے تو!" ہاشمی پکارتے رہ گئے۔ مگر نزہت شائد کمرے سے نکل کر چل دیں۔
نوشیہ نے کتاب اٹھاتے اٹھاتے پھر واپس قطار میں رکھ دی اور اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ اس کی نظروں کے سامنے بڑا خوشنما باغ تھا۔ ہر طرف سبزہ زار تھا۔ یہاں وہاں خوبصورت پھول مسکرا رہے تھے۔ مدھم سرد ہوا درختوں میں ارغنوں بجاتی پھر رہی تھی۔ سنگ سفید کی چمکیلی روشوں پر باغبان کی بلی کے چھوٹے چھوٹے بچے کھیل رہے تھے!۔ نت نئی رنگ برنگی چڑیاں اونچی نیچی شاخوں پر

چھنکتی بھاگتی پھر رہی تھیں۔

"ماحول کا حسن کا تعلق انسان کے دل سے ہوتا ہے۔ دل اگر اجاڑ ہوتا ہو تو گلستاں ویرانہ معلوم ہوتا ہے اور اگر دل خوش و خرم ہو تو انسان ویرانوں میں بھی حسن و جاذبیت تلاش کر لیتا ہے!۔"

نوشیبہ کو ایسا ہی لگا۔ ہر پودا ہر درخت زمین میں مقید ہے پھولوں کا تبسم مجبوراً ہے عارضی ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ آج وہ شاخ پر سر بلند ہیں۔ کل فرش پر سرنگوں ہوں گے!۔ اس دنیا میں کون آزاد ہے۔ کون خوش ہے۔ ہر آدمی کے اپنے الگ مسائل ہیں۔ کوئی ذہن الجھنوں سے خالی نہیں سکون پیغمبروں۔ رشیوں اور اولیاء اللہ کو بھی نصیب نہیں تھا! کہیں انکے سر تن سے جدا ہوئے کہیں انھیں اپنی صلیب آپ اٹھا کر مصلوب ہونا پڑا۔ کہیں انھوں نے نجات کے لیے ویرانوں کو مسکن بنایا۔ کیسے ہے سکون؟۔

کسی کو نہیں۔" اس نے آہ بھر کر کہا۔" اور مجھے تو بالکل نہیں۔ میں کیا کیا سوچا کرتی ہوں فکر معاش۔ فکر قیام۔۔؟ یہاں سے جاؤں تو کہاں جاؤں۔ کس کے پاس جاؤں میرا کون ہے۔ سب لوگ اپنی کھال میں مست ہیں۔ کسی کی شادی ہے۔ کسی کی خوشیاں ہیں۔ ہاشمی کی بھی شادی ہو جائے گی۔ یہ کیا ضروری ہے کہ اس کے دل میں دھیمے دھیمے جلتے ہوئے چراغ کی مدھم سی موہوم سی روشنی ہاشمی کے دل تک پہونچ جائے۔؟۔ یہ تو ناممکن ہے۔ وہ زندگی بھر اس چراغ میں اپنے دل کا لہو ڈالتی رہے گی۔ اس روشنی کو بجھنے نہ دے گی۔ مگر یہ بھی نہ کرے گی کہ اس کا اُجالا جانتے بوجھتے ہاشمی کی راہوں میں پھیلنے دے۔ وہ ایسی کم ظرف اور سطحی نہیں ہے۔ ہاشمی تو کسی اور کے ہیں!۔

اس نے ایک موہوم سسکی لے کر کھڑکی سے سر ٹیک دیا۔

"اچھا۔ آپ یہاں ہیں۔" اپنے پیچھے اس نے ہاشمی کی آواز سنی اور یک بیک اس کا دل غیر معمولی انداز میں دھڑکنے لگا! ۔ وہ اندر آکر کرسی پر بیٹھ گئے۔ دروازے کا پردہ دونوں طرف آخری سروں تک ہٹا دیا۔ پھر الماریوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولے۔ "بھائی صاحب کا ذوق اچھا ہے مجھے تو کبھی کوئی چیز پڑھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ آپ نے یہاں کی کون کون سی کتابیں پڑھ ڈالیں۔"

نوشیہ سمجھ گئی کہ وہ گفتگو کے پیرائے تلاش کر رہے تھے۔ اس نے سرسری لہجے میں کہا۔ "کئی ایک تو میری پڑھی ہوئی ہیں۔ ابا نے بھی میرے لیے ایک کتب خانہ بنوا دیا تھا۔"

"وہ کتابیں کہاں گئیں۔"

"ایک لائبریری کو نصف داموں پر دے دیں۔ ابا بیمار تھے۔ اخراجات کی ضرورت تھی۔"

ہاشمی کے دل پر دھکا لگا۔ جب بھی وہ اپنی تباہ حالی پر زبان کے خنجر چلاتی ہاشمی گم صم ہو جاتے! ۔ انھیں یکبارگی خاموش ہوتے دیکھ کر نوشیہ نے فوراً دوسرا موضوع چھیڑ دیا۔

"آج آپ گھر پر نظر آرہے ہیں۔ میں سمجھتی تھی کہ کمار صاحب کے ساتھ جاچکے ہوں گے۔"

"باجی نے زبردستی روک لیا۔" انھوں نے کہا۔ "ان کی منطق عجیب ہے۔ اچھا نوشیہ۔ بتاؤ تم نے جشن کی رات ناصر صاحب کی صاحبزادی فرخندہ کو دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔" وہ مسکرائی۔

کیسی لگیں ؟۔

بہت اچھی لگیں !۔

سچ کہہ رہی ہو ؟

کیوں نہ کہوں گی ؟۔

اس نقطہ نظر سے نہ دیکھا ہو گا کہ وہ اگر کسی کی عمر بھر کی ساتھی بن جائیں تو کیسی لگیں گی !"

اس طرح دیکھوں بھی تو کیا۔ کسی نہ کسی کی ساتھی تو وہ ضرور بنیں گی !"

کیسی باتیں کرتی ہو۔ نوشیہ !۔

آپ کو بھی وہ پسند ہوں گی۔

بالکل نہیں ... میں نہیں چاہتا کہ میرے سامنے فرخندہ کا تذکرہ بھی کیا جائے۔ سنو۔ نوشیہ۔ میں تمھیں اپنا پیغامبر بنا تا ہوں۔ میرا انکار باجی کو برافروختہ کردے گا۔ تم ان سے کہہ دینا کہ۔ اگر میرے نام کے ساتھ اس لڑکی کا نام لیا گیا تو میں اس گھر پر لعنت بھیج کر چلا جاؤں گا !۔

نوشیہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ اس معاملے میں اُلجھے گی۔ اس نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ ہاشمی کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ پیشانی پر غصے کی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ چہرہ سرخ۔ ہونٹ بند۔ جیسے ان کے دل میں ابھی جذبات کے سمندر مچل رہے تھے !

آپ کمار صاحب سے کہیے" نوشیہ کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

کمار بد دماغ ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے !" ہاشمی نے کہا اور اٹھ گئے" مجھے امید نہیں کہ تم کمار کی ہمزبان ہو گی۔ نوشیہ۔ میری زندگی اور موت کے معاملہ میں مجھ سے بے وفائی نہ کرنا"

وہ کب گئے۔ نوشیبہ کو پتہ بھی نہ چلا۔

تو آخر یہ اندیشہ حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ اس کے دماغ میں بھنورے اڑنے لگے۔ لاکھ کچھ ہو۔ فرخندہ، نزہت اور ہاشمی کی زندگیوں اور آرزوؤں کے درمیان اس کی ہستی کو کبھی نہیں آنا چاہیئے۔ ہوسکتا ہے کہ ہاشمی اپنی بہن سے بھی کہہ دیں۔ تب پھر۔ نزہت اسے کیسی حقیر نظروں سے دیکھیں گی؟۔ کیا وہ ایسی نظریں برداشت کرسکے گی!۔ اس کی آن۔ ہزار بار کی محبت۔۔۔ سے بڑھ کر ہے!۔ لوگ کہیں گے۔ نوشیبہ نے اسی لیئے نزہت کی پناہ ڈھونڈی تھی۔ اسے شوہر بھی ملے اور دولت بھی۔ کیسا گھناؤنا اور شرمناک خیال ہے۔ یہ تو نزہت کے سوچنے کی بات تھی۔ اسے چاہتی بھی تو کتنا تھیں۔

پھر ایک اندیشہ پھن کاڑھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

جاؤں تو کہاں جاؤں۔!

اس نے لائبریری بند کی۔ اور کنجی نزہت کے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی۔ اور کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ آخر اپنا ہی سمجھ کے ہاشمی نے یہ کہا ہوگا!۔ اس کی نظروں کے سامنے ان کا سراپا ابھرا۔ اپنے خاندان اور ماحول کے لحاظ سے انتہائی پرکشش۔ خوبرو اور جامہ زیب تو ہونا ہی تھا!۔ نزہت ہی چالیس سال کے لگ بھگ ہونے والی تھیں۔ ہاشمی ان سے کئی سال چھوٹے تھے۔ نزہت بھی اس عمر میں بہت نازک اور دلکش تھیں۔ ان کی نزاکت ہاشمی کی شخصیت میں مردانہ وجاہت اور وقار بن کر سماگئی تھی۔ اونچے ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ چوڑے کندھے۔ بھرے بھرے بازو۔ جامہ زیبی ان پر ختم تھی۔ چہرہ متانت اور خوش مزاجی کی تصویر۔ گہری سیاہ آنکھیں۔ اونچی پیشانی عنابی مضبوط لب۔ ہونٹوں پر مونچھوں کی موٹی سی لکیر انھیں مردانہ وقار اور دبدبے

عطا کرتی تھی ۔ سونے پر سہاگہ ان کی تعلیم اور دولت تھی ۔ نزہت کے خاندان کے لیے وہ سونے کی چڑیا تھے ۔ کئی لڑکیاں ان کی خواہش مند تھیں لیکن ہاشمی کی قسمت کہ نزہت کو فرخندہ بیگم پسند آ گئیں ۔ اپنی مرضی کے آگے انھوں نے بھائی کی پسند و ناپسند کی کوئی قیمت نہیں رکھی !۔

نزہت کا اصرار ۔ ہاشمی کی معنی خیز خاموشی ۔ عباس کی غیر جانبداری ۔ ناصر علی خاں صاحب کا متواتر زور ۔! نوشیبہ سب سے الگ تھلک اپنی کوششوں میں لگی تھی ۔ روز صبح کسی سہیلی کے یہاں جانے کا بہانہ کر کے گھر سے نکلتی اور متعدد اسکولوں کے چکر لگاتی !۔ ارباب مدارس کے تیر و نشتر کے سے سوالوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کے پاس صرف ایک ہی ہتھیار اور ایک ہی ڈھال تھی ۔ بی ۔ اے کی سند ۔! اور بس کئی جگہ اسے مایوسی ہوئی ۔ بے روزگاری کے سیلاب نے ہر چھوٹی بڑی جگہ کو انسانوں کے خس و خاشاک سے پر کر دیا تھا ۔

اب میٹرک پاس بھی ٹیچر تھا اور ایم ۔ اے پاس ٹیچر !۔

نو وکینسی کی تکرار نے نوشیبہ کو بدحواس کر دیا !۔ جہاں جاتی دروازہ بند ۔ تقدیر قہقہہ بر لب ۔ وہ سمندر کی زبردست لہروں پر بہتے والا تنکا بن کر رہ گئی ۔

اکثر اس نے خودکشی کی ترکیبوں پر سنجیدگی سے سوچا تھا ! کس کام کی ہے یہ لعنتی زندگی ۔ آخر سبا کے مر جانے کے بعد اسی کا زندہ بچنا کیا ضروری تھا !۔

ایک اسکول میں ناکامی اٹھا کر وہ سکریٹریٹ کے چمن میں آ کر بیٹھ گئی تھی ۔ ماحول پرسکون تھا لیکن اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں ۔

کئی آدمی سبزے پر ادھر ادھر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے !۔

کسی کا پروگرام تھا ۔ بمبئی کی سیر کرنی چاہیئے ۔ کوئی کہہ رہا تھا ۔ نیا فلم فرسٹ شو

میں ضرور دیکھنا ہے چاہے کسی بھی قیمت پر ٹکٹ نصیب ہو کسی نے پچھلے ہفتے سال بھر کا اناج گھر میں بھروا دیا تھا۔ کوئی فخر یہ کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی پچاس ہزار میں کی تھی۔

نوشیبہ کا دل رونے لگا۔ اے اللہ۔ یہ سب آسودہ ہیں ان کی جیبیں تیری عطا کردہ دولت سے بھری ہیں! انھیں کوئی فکر نہیں۔ نہ غم جاناں نہ غم دوراں۔

ایک وہ خود ہے۔ نزہت کے دیئے ہوئے سارے پیسے اس دوڑ دھوپ کی نذر ہو چکے تھے۔ اس کے پرس میں بمشکل چھ روپئے پڑے ہوں گے!۔

میں بھی کبھی لکھ پتی آفتاب احمد کی بیٹی تھی۔ میری تجوری بھری رہتی تھی۔ اور آج۔ میں معمولی سی نوکری کی خاطر ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہوں۔ وہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ کیوں مجھے اس قدر بد قسمت بنایا ہے اے خدا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

کیا تو تقدیر کے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اس نے آنسو بھری آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں۔ کیا پتہ دین و دنیا کا خالق اس وقت کیا کر رہا ہے؟ کیا اسکی نظر مجھ پر بھی ہو گی؟۔

ایک خوش نکرے صاحب سبزے پر سے اٹھتے ہوئے اپنے ساتھی سے بولے۔

"اچھا بھئی چلو۔ شائد مکینک نے ریڈیو درست کر دیا ہو۔ میں تو نیوز سنے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اب ایک ٹیپ ریکارڈ خرید لوں گا۔ تاکہ ریڈیو کے نخروں سے نجات ملے"۔

میرے پاس کھانے کے پیسے نہیں۔ یہ آدمی بیکار نمائشی چیزوں پر ہزاروں خرچ کرے گا!۔

نوشیبہ کو یک لخت سارے دولت مندوں سے نفرت ہو گئی۔ اس نے اس طرف

سے منھ پھیر لیا۔ ایک ادھیڑ عمر کی خاتون پر نظریں پڑیں۔ وہ سرمئی شال میں لپٹی تھیں۔ چہرے پر شرافت اور متانت تھی، ہچکچا کر نوشیہ سے پوچھا۔

"معاف کرنا بیٹی۔ کیا میرج آفس یہی ہے؟"

"جی نہیں..." وہ اکتائی ہوئی بولی "وہ شائد ادھر کہیں ہے نامپلی روڈ پر!"

"کیا وقت ہو رہا ہے؟"

"پونے دو بجنے والے ہیں۔"

وہ کراہتی ہوئی بنچ پر بیٹھ گئیں "آج کل کے لڑکے لڑکیوں کے مارے ناطقے میں دم آگیا ہے۔ میرا لڑکا یہاں سے عدالتی شادی کر کے کنیڈا چلا گیا تھا۔ میرج سرٹیفکیٹ کی ضرورت پڑی ہے۔ اس کی خاطر اتنی دور بیٹھا بوڑھی ماں کو دوڑا رہا ہے۔ کبھو گھر سے نکلی نہیں۔ کچھ معلوم بھی نہیں۔ یہ شادی بیاہ کے دفتر کہاں کہاں ہیں —— تم بھی کسی کام سے آئی ہو۔ بیٹی؟"

"جی ہاں۔ اخبار سے معلوم ہوا تھا کہ یہاں مسز خان کے پرائیوٹ اسکول میں ایک ٹیچر کی جگہ خالی ہے۔ لیکن میں شائد دیر کر کے آئی۔ میرے آنے سے ایک گھنٹہ قبل مطلوبہ ٹیچر انھیں مل گئی۔"

"بڑا افسوس ہوا۔" یہ سن کر خاتون کے چہرے پر ہمدردی کے آثار ابھرے "لیکن ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ تم ماشاء اللہ اعلیٰ گھرانے کی فرد معلوم ہوتی ہو۔ ملازمت کی تلاش تمھیں کیوں ہے؟"

نوشیہ طنزیہ ہنسی "بہت زیادہ اعلیٰ اور برتر گھرانے کے فرد امام حسینؓ بھی تھے۔ محترمہ۔ مگر وہ بھوکے پیاسے تپتی ریت پر شہید کر دیئے گئے۔ میں تو ان کی نعلین مبارک کی بھی برابری نہیں کر سکتی مجھ پر جو کچھ نہ گذر جائے وہ کم ہے... اچھا اب میں چلتی ہوں!"

سنو بیٹی۔ اگر تمھیں ایسی ہی ملازمت کی تلاش ہے تو میرے ساتھ چلو۔

آپ کے ساتھ!۔

" ہاں؟۔ میں نے گھر پر ایک انڈسٹریل ہوم کھول رکھا ہے۔ کئی ایک لڑکیاں وہاں کام کرتی ہیں۔ میں تنہا ہوں۔ لڑکا فارن میں رہتا ہے۔ لڑکی ابھی تین مہینے قبل بچے کی پیدائش میں مجھے چھوڑ کر چل بسی۔ کیا حرج ہے اگر تم میرے پاس میرے ساتھ رہو۔ وہ کمی پوری ہو جائے گی جو مجھے محسوس ہوتی رہتی ہے۔ تم سے قدرتی محبت معلوم ہو رہی ہے۔ بیٹی تم اگر کوئی کام نہ کرو نہ ہی۔ میری بیٹی بن کر رہو!"

آپ کہاں رہتی ہیں؟" نوشیہ نے امید و بیم کے گرداب میں چکراتے دماغ کو قابو میں کر کے پوچھا۔

چلو تو بتا دوں۔ زبانی مکان کا پتہ اور نمبر مجھے یاد نہیں رہتے!

آپ سے ملنے میں ضرور آؤں گی لیکن میں ان لوگوں کو تو مطلع کر دوں جو میرے فی الحال سرپرست ہیں ... پتہ نہیں وہ لوگ کیا سوچیں!"

ہاں بیٹی۔ ضرور۔ تمھارا کیا نام ہے!؟۔

نوشیہ آفتاب احمد۔

حمایت نگر میں جس کسی سے مسز شبیر کے انڈسٹریل ہوم کا پتہ پوچھو گی۔ بتا دے گا۔ اب میں بھی جا رہی ہوں ... بیٹی حالات سے پریشان مت ہونا۔ کچھ آزمائشیں ہوتی ہیں۔ کچھ اپنے اعمال۔ تم نے امام حسینؓ کا نام لیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس عمر میں تمھاری مشکلات اتنی ہو گئی ہوں کہ تم سے سنبھالی نہ جاتی ہوں۔ مگر ہمت نہ ہارو۔ ہر قسم کے حالات اللہ کے ہاتھ کی تلوار ہیں۔ وہ جانتے بوجھتے اپنے بندوں پر کبھی تلوار نہیں چلاتا۔ خدا تمھارا مددگار ہو۔ جب بھی جی گھبرائے چلی آنا میں تمھاری منتظر رہوں گی ــــ

خدا حافظ۔"

مسز شبیر کا لہجہ اس کا جگر کھرچ رہا تھا!۔

"کچھ اپنی آزمائشیں ہوتی ہیں کچھ اپنے اعمال۔"

سچ تو ہے۔ اس نے اپنے حالات کا ذمہ دار خدا کو سمجھ رکھا ہے۔ اسے خدا پر غصہ آتا ہے۔ وہ خدا، تقدیر، جزا سزا نیک و بد کی قائل نہیں رہی۔ کب سے اس نے نماز نہیں پڑھی۔ جب وہ خدا کو بھی بھول گئی تو خدا اسے کیوں یاد رکھے!۔

اس نے وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی پھر زار زار آنسو بہاتی ہوئی سجدے میں گر پڑی۔

"اے اللہ مجھے ہمت دے سہارا دے۔ مجھے یوں ضائع نہ کر۔"

دیر تک آنسو بہانے سے اس کا دل ہلکا ہو گیا!۔

نزہت اسے آوازیں دے رہی تھیں!۔

"کیا کر رہی ہو۔ نوشی۔ چائے پینے بھی نہیں آئیں۔ کون سی سہیلی کے پاس رہ گئی تھیں!؟"

وہ لباس برابر کرتی ہوئی باہر نکلی۔

ادھر سے عباس آ رہے تھے۔ انھوں نے کار کی کنجی جھن سے میز پر پھینکی اور غصے سے مرتعش لہجے میں بولے۔

"آج ہسپتال میں ناصر صاحب کا فون آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تم سے آخری جواب لینے آئیں گے۔ اسی لیے میں تمھاری خدمت میں مارا مارا آیا ہوں کہ ان کے شایانِ شان ضیافت کا بندوبست تو کر دوں۔"

نزہت کے چہرے پر ایک رنگ آیا ایک گیا۔ عباس نے تند لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے برادرِ معظم کہاں تشریف رکھتے ہیں؟"

باہر رہوں گے۔" نزہت نے حواس باختہ ہو کر کہا۔ پھر بے حد خوشامد سے تقریباً رو کر بولیں۔" اللہ۔ آپ چلے نہ جایئے گا۔ مجھے کوئی جواب نہیں سوجھتا! ۔ میں کیا کہوں گی۔ ان سے۔"

"میرے بھروسے نہ رہنا۔ میں جا رہا ہوں۔ رات کے دس بجے ایک بچے کی ٹانگ کا آپریشن ہے سرجن پانڈے میرا انتظار کر رہے ہوں گے ویسے تم پر ترس کھا کر آتے آتے ضیافت کا کچھ سامان لیتا آیا ہوں۔ ڈکے میں ہے۔ کسی کو بھیج کر منگوا لو۔۔۔۔ رہا جواب کا معاملہ۔ تو تم سمجھدار ہو۔ ہاشمی کبھی نا سمجھ نہیں۔ ان کی اور تمھاری جو مرضی ہو۔ یا تو ادھر یا تو ادھر۔ میں جا رہا ہوں!"

ناصر علی خاں صاحب بہت طیش میں ایک جواب لینے آئے تھے! ان سے صرف نزہت ملیں۔ عباس اور ہاشمی نے دامن الگ رکھا تھا۔ نزہت برافروختہ تھیں۔ غصے اور جنون میں انھوں نے قسم کھائی کہ اپنی مرضی پوری کر کے رہیں گی! ناصر علی صاحب ایک مدت دے کر چلے گئے۔ نزہت نے ان کے جانے کے بعد خوب آڑے ہاتھوں ہاشمی کو لیا۔ اور حکم ناطق دے دیا۔

"اگر تمھیں میری مرضی پوری کرنی ہے تو آج سے مجھے اپنی بہن سمجھنا۔ ورنہ یہ میرا فیصلہ ہے کہ نہ تم میرے بھائی نہ تم سے میرا کوئی واسطہ۔"

یہ دھاندلی نہیں چلے گی۔ باجی۔ اس بڈھے سے مجھے نفرت ہے؟" ہاشمی نے چلا کر کہا۔

"تو پھر زہر دے دو مجھے بس۔ اگر آج میرا کوئی ہوتا تو میری ناک نیچی نہ ہونے

دیتا۔ مگر بہن کی عزت جائے چولہے میں۔ تم اپنی بات اونچی رکھو۔" یہ کہہ کر نزہت

جو جاہل عورت کی طرح روئی ہیں تو ہاشمی دم بخود رہ گئے۔

بہن بھائی میں کچھ جنگ زرگری ہوئی۔ پھر نزہت نے کہا "جیسے تمھیں اپنی

ہٹ پیاری ہے ویسے مجھے میری بات عزیز ہے۔ ہاشمی اتنا یاد رکھو کہ اگر

میری توہین ہوئی تو پھر میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔ بچوں کا وبال تمھاری

جان پر پڑے گا!"

ہاشمی پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے۔

نزہت رونے بیٹھ گئیں۔ نوشیبہ کو ابھی تک کسی معجزے یا کرامت کے ظہور پذیر

ہونے کا انتظار تھا۔ شاید کچھ ہو جائے کہ ہاشمی خود بخود اس کے ہو جائیں مگر

بات ختم ہو چکی تھی۔ یقیناً وہ بہن کی مرضی پر سر تسلیم خم کر دیتے! نوشیبہ کے لیے

زندگی کے اندر اور باہر کوئی دلکشی نہیں رہ گئی۔

جب نزہت کی گریہ وزاری کی آواز اونچی ہوئی تو ہاشمی نے دروازے سے

سر نکال کر کہا۔

"باجی بند کر دیجیے رونا دھونا۔ جو آپ چاہتی ہیں وہی کیجیے۔" اور

دھڑاک سے پٹ بند کر لیے۔

"تو میں بھجوا دوں ناصر کو اطلاع ——— !"

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

نوشیبہ نے ایک طویل سانس لی۔ اور اپنا چھوٹا سا اٹیچی کیس اٹھا کر باہر نکلی۔

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ سڑکوں پر چراغ جل اٹھے تھے۔ سڑکوں کی زندگی

جامد اور گیلی گیلی تھی۔

کہاں جا رہی ہو۔ نوشیبہ؟" نزہت نے تعجب سے پوچھا۔

کچھ دیر بعد آجاؤں گی۔ باجی۔ پریشان مت ہوئیے۔ ایک پرانی جان پہچان والی مل گئی ہیں۔"

کہاں رہتی ہیں۔

بے ساختہ اس کے منھ سے نکل گیا" حمایت نگر اپرے ہیں۔

" جلدی چلی آنا۔"

اس کے کانوں میں انجنوں کا شور مچا ہوا تھا۔ اس نے کچھ سنا بھی نہیں جلدی سے باہر نکلی اور گیٹ کے پاس ہی سے ایک رکشا کر لیا۔ اسے پتہ بتایا اور پردہ برابر کر کے نیسلی سے سر ٹیک کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ کسی چیز کا عزم کرنا اور بات ہے عزم کو عملی جامہ پہنانا اور بات۔ وہ تو کمزور سی لڑکی تھی۔ اس کے سینے میں ادھوری سانسوں کا ہجوم تھا!۔

دیر تک منزل مقصود نہ آئی تب اس نے پردہ سرکا کر دیکھا۔ بڑی ویران گلی میں وہ جا رہی تھی۔ ہر طرف ریت پر پانی چمک رہا تھا۔ آسمان پر اب بھی دھندلے بادل اکٹھا تھے۔ دو رویہ ایستادہ کھمبوں میں برقی قمقمے اندھی آنکھوں کی طرح بے نور تھے!۔ اس نے محسوس کیا کہ دہشت کی تھرتھری اس کے جسم میں پھرنے لگی ہے!

" تم کہاں لے آئے ہو۔؟" اس نے آواز بڑھا کر رکشے والے سے پوچھا۔

" نزدیک کے راستوں سے چل رہا ہوں۔!" اس نے بڑے جارحانہ انداز میں کہا۔ نوشیبہ سہم گئی۔ راستے میں نہ آدم نہ آدم زاد۔ وہ بہت پریشان تھی۔ خدا ہی خیر کرے۔ رکشا آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ تاریک گیلی سنسان گلیاں آتی رہیں ایک گھر سے کسی عورت کے رونے کی دلخراش آواز آئی۔ اس نے سہم کر کان بند کر لیے!

خدا خدا کر کے یہ سفر ختم ہوا۔ بڑی شاہراہ آئی اور رکشے کو اجرت دے کر

آگے قدم بڑھا دیئے!۔ بیگم شبیر کا مکان اسے جلد تر مل گیا!۔ انھوں نے اس کے رخسار پر بوسہ دیا۔ لیکن ان کی آنکھوں میں تحیّر تھا۔

مجھے بھی کچھ کام دیجیئے؟" اس نے کہا وہ ہنسنے لگیں۔

"ہاں ہاں ضرور۔ صبح کو انشاء اللہ تم سے پوچھوں گی تم کیا کیا کرسکتی ہو۔ اب تو آرام کرو۔ غسل کرتی ہو تو میں انتظام کرادوں؟"

نہیں" اس نے کہا اور سر تھام لیا۔ پتہ نہیں اس کے فرار پر سنی سائیڈ میں کیا ہوگا؟۔

"پریشان نہ ہو بیٹی" بیگم شبیر نے اس کے قیافے سے اس کے دلی جذبات کا انداز لگا لیا" جو مصیبت آتی ہے وہ جاتی ضرور ہے۔ کوئی دن اپنی جگہ جم کر نہیں رہ جاتا!۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمھیں کمرہ دکھاؤں۔ لیکن تم سوؤ گی میرے ساتھ میری خواب گاہ میں"

"یہ بہت اچھا ہوگا۔ بیگم شبیر!۔ میں اکیلی خوابگاہ میں ڈرتی ہوں؟"

مجھے بیگم شبیر نہ کہو بیٹی۔ میں تمھاری ماں یا خالہ سے کیا کم ہوں؟ ـــ" انھوں نے کہا۔

رات کا کھانا نوشبہ سے کھایا نہ گیا۔ نہ ڈھنگ سے نیند آسکی!۔

سنی سائیڈ میں اس وقت ہلچل مچی تھی۔ نوشبہ کی گمشدگی ایسی نہ تھی کہ انھیں بے موت مار نہ ڈالتی۔ عباس ہاشمی اور کمار ہر اس جگہ پوچھتے پھر رہے تھے جہاں اس کی موجودگی کا امکان ہوسکتا! اسٹیشن ہسپتال، ہوٹل۔ لیکن جب ساری رات گذر گئی اور اس کا پتہ نہ چلا تو وہ سب بدحواس وخستہ حالی کمرے میں آبیٹھے!۔

"یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا" عباس نے نزہت سے کہا" تم نے اسے جانے

کیوں دیا۔؟

مجھے کیا پتہ تھا اس کے دل میں کیا ہے؟" نزہت بوکھلا کر رو دیں۔ ہاشمی کا چہرہ درد و کرب کی تصویر بنا تھا۔ انھیں کمار الگ لے گئے۔

"میں کہتا ہوں۔ ہاشمی۔ وہ صرف تمھارے منھ سے منگنی کے اقرار کی بات سنکر اور دل برداشتہ ہو کر گھر سے گئی ہے"

میں سوچ بھی نہیں سکتا!" ہاشمی نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیئے "عباس بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ سب باجی کی جلد بازی اور نادانی کی وجہ سے ہوا خواہ مخواہ انھیں الزام دینا اچھا نہیں۔ اچھا اٹھو۔ ایک چکر حمایت نگر کالونی کا بھی لگا آئیں"

"کل ہی دروازے ہانک لگا چکے ہو۔ نہیں کمار۔ اس نے خودکشی کرلی ہے"

تم گھر پر آرام کرو۔ میں جاتا ہوں!" کمار نے کہا "مجھے امید ہے کہ میں حمایت نگر پہونچ کر اس کا پتہ لگا سکوں گا۔ وہ لکھ پتی آفتاب احمد کی صاحبزادی ہے۔ اسکے باپ کے دوست بھی دولت مند ہوں گے۔ لہٰذا میں ہر شاندار بنگلے پر دستک دے کر محترمہ نوشابہ آفتاب سے ملنے کی استدعا کروں گا۔ شائد کوئی اس تک خبر پہونچا ہی دے۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو"

آرام میرے مقدر میں کہاں ہے۔ کمار۔ میں بھی اسٹیشنوں کے چکر لگاتا ہوں"

"کیسی حماقت انگیز بات ہے۔ کیا وہ اسٹیشنوں پر جمی بیٹھی ہوگی۔ بالفرض محال اگر اس نے اسٹیشن ہی کا رخ کیا ہے تو پتہ نہیں اب کس گاڑی میں بیٹھی کہاں چلی جارہی ہوگی"

گھر میں سوگوار سناٹا چھا گیا تھا۔ ہاشمی نامراد سے اپنے کمرے میں جاکر پڑ

رہے۔ آج انھیں احساس ہو رہا تھا انھیں نوشیہ سے کتنی گہری محبت تھی۔

نزہت کے جسم میں جان نہیں تھی۔ صحن کی دہلیز پر گم صم بیٹھی تھیں۔ عباس جا چکے تھے۔ کمار نے بھی اپنی راہ لی۔!

دن کے دس بجے تھے۔ مسز شبیر کے انڈسٹریل ہوم میں لڑکیاں آنے لگی تھیں۔ انھوں نے سب سے نوشیہ کا تعارف کرایا۔ اور پھر اسے اپنے کمرے میں لے گئیں۔

نوشیہ بہت پریشان لگ رہی تھی!۔

بیٹھی۔ کیا سوچ رہی ہو؟ یہاں جی نہیں لگتا؟۔

پتہ نہیں۔ میرے اس طرح چلے آنے پر باجی اور عباس بھائی کا کیا حال ہو گا؟"

وہ بولی۔ اپنے مختصر سے حالات انھیں سنا دیئے تھے!۔

ان سے اپنا ناطہ مت توڑو بیٹی۔ تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ انھیں فون کر دو کہ تم یہاں ہو" بیگم شبیر نے رائے دی" اس طرح انھیں بھی سکون ہو جائے گا۔ اور تمھارا اضطراب بھی ختم ہو جائے گا! — آؤ چلو میں تمھیں یہاں کی نگراں کار آمنہ رحمان کے پاس چھوڑ دوں۔ مجھے حلف نامہ لینے شادی کے دفتر میں جانا ہے!"

انھوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو چونک پڑیں۔ نوشیہ کو تیز حرارت ہو رہی تھی!۔

"تمھیں تو بخار ہے بیٹی۔ کیا تم اپنے لوگوں کی جدائی بہت زیادہ محسوس کر رہی ہو؟"

یک لخت اسے رونا آ گیا" میں بہت جلد کسی بات کا فیصلہ کر لیتی ہوں۔ آنٹی۔ اب میں پچھتا رہی ہوں۔ اگر میں واپس چلی جاؤں تو آپ بُرا تو نہیں مانیں گی؟"

"تمھاری جدائی مجھے بھی گراں گذرے گی۔ لیکن میں تمھارا دکھ بھی نہیں سہہ سکتی! جو تم کہو۔ وہ کر دوں"

"آپ کے آنے تک میں سوچوں گی۔ آنٹی۔ پھر فیصلہ کروں گی"

میں ڈاکٹر کو فون کر دوں؟"

اس نے ہزار نہیں نہیں کی مگر مسز شبیر نے ڈاکٹر کو بلا کر دکھایا اس نے کچھ دوا دی اور آرام کرنے کی ہدایت دے کر چلا گیا۔۔ بیگم شبیر اسے بڑی محبت سے سمجھاتی رہیں۔ پھر وہ اپنے کام سے گئیں اور نوشیبہ تنہائی میں سوچنے لگی!۔

اس نے یہ بڑا قدم اٹھایا ہے۔ کیا اُسے صرف ہاشمی کی ہمدردی ناگوار گذری تھی؟۔ مگر وہ تو اب دوسروں کے ہو چکے ہیں۔ اس کے دل میں بھڑکنے والا شعلہ یونہی راکھ ہو جائے گا۔ اسے سب دولتمندوں سے نفرت ہو چکی!۔

اندھا دھند سوچتے سوچتے اس نے اپنا بخار بڑھا لیا۔ جب مسز شبیر واپس آئیں تو اسے نیم بیہوش دیکھ کر سخت گھبرائیں۔

نوشیبہ بیٹی۔ آخر تم نے اپنا بخار بڑھا لیا" انھوں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور غفلت میں بولی۔

"مجھے پریشان مت کرو۔ ہاشمی۔ یہاں کبھی چین نہیں۔ تم سے مجھ سے۔ کیا واسطہ ہے؟۔ اب میں۔ دل ہی دل میں تمھیں کبھی یاد نہیں کروں گی ... کسی کو نہیں۔ امی۔ کیا آپ میرے پاس ہیں۔ آپ کب آئیں"

بیگم شبیر؟" ایک ٹیچر نے ان کے پاس جھک کر کہا۔

ڈاکٹر اسلم صاحب کو فون کر دو" وہ پر تشویش لہجے میں بولیں" یہ بے چاری بچی اپنے آپ میں نہیں ہے ایسی عمر میں خدا کسی کو بے سہارا نہ کرے۔

جی۔ لڑکی بولی" آپ کے پاس کوئی صاحب مسٹر ویدیندر کمار آئے ہیں!"

انھیں باہر بٹھاؤ۔ تم فون کر کے اس کے پاس آجاؤ۔ اکیلا چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے" مسز شبیر نے کہا۔

لڑکی نے ڈاکٹر کو فون کرکے بیگم شبیر کو مطلع کر دیا۔ اور خود نوشیبہ کے پاس آ بیٹھی۔ وہ باہر چلی گئیں۔ ڈرائینگ روم میں جو نوجوان ان کا منتظر تھا وہ اس کا شناسا نہیں تھا!۔ اس کی ظاہری پوزیشن شریفانہ تھی۔ انھیں دیکھ کر وہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بڑے ادب سے سلام کیا۔

"کہیئے" بیگم شبیر نے پوچھا "کیا کسی کے ایڈمیشن کی بات ہے؟ تشریف رکھیئے"

جی؟۔ نہیں۔ ایڈمیشن کی بات نہیں" وہ بیٹھتا ہوا بولا "معاف فرمائیے گا۔ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں!۔

بڑے شوق سے بیٹا!"

وہ متاثر ہو گیا۔ ہچکچا کر کہا "محترمہ بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنی ایک عزیزہ کے سلسلے میں صبح سے پوچھتا پھر رہا ہوں۔ وہ گھر سے نکلی تھیں۔ اور کہہ گئی تھیں کہ اسی جگہ جا رہی ہوں۔ مکان کا پتہ انھوں نے نہیں بتایا تھا۔ آپ کے بنگلے کا نمبر شائد پچاسواں ہے۔ جہاں جہاں پوچھا تھا ناکامی ہوتی تھی۔ ان کی بازیابی ضروری ہے۔ محترمہ۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہیں"

آپ کی بہن ہے؟"

جی نہیں۔ میرے دوست کی بہن ہے!"

کیا نام ہے؟

نوشیبہ آفتاب احمد۔

کیا اس کا کوئی عزیز دنیا میں نہیں ہے؟۔

جی نہیں!" کمار کا دل دھڑکنے لگا!۔

آپ نے اخبارات میں اعلان نہیں کرایا۔
"جی نہیں ... وہ بڑے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اخبار ہزاروں کی نظر سے گزرتا ہے۔"
"میرے ساتھ آئیے۔ اور دیکھئے کل جو لڑکی میری پناہ میں آئی ہے۔ وہ آپ کے دوست کی بہن تو نہیں ہے ؟"
وہ اٹھ کر اندر مڑ گئیں۔ کمار کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ انھیں بالکل توقع نہیں تھی کہ کامیابی ان کے نصیب میں آئے گی !۔
بہرحال وہ بیگم شبیر کے ساتھ چلے گئے۔ ایک کمرے میں پہونچ کر انھوں نے پردہ ہٹایا۔ بے ساختہ کمار چھپٹے۔ منھ سے چیخ نکلی۔
نوشیرہ۔! خاتون ! یہ اس حال میں کیسے ؟"
کل سے پریشان ہے۔" بیگم شبیر نے بتایا۔" قوت فیصلہ ختم ہو چکی۔ چھپا رہی ہے دماغی اور جسمانی تھکن نے اس حال کو پہونچا دیا ہے !۔ ویسے وہ اپنے پورے حواسوں میں ہے۔"
"ڈاکٹر صاحب آگئے ہیں !" ملازم نے اطلاع دی۔
اچھا۔ میں اپنے دوست کو فون کر کے ابھی آیا۔" کمار فرطِ مسرت سے آپے سے باہر ہو رہے تھے !...
آپ کی مرضی !" بیگم شبیر نے کہا اور ڈاکٹر سے مخاطب ہو گئیں۔
فون پر خوشخبری سناتے ہوئے کمار کی آواز میں ہکلاہٹ تھی !۔
گھنٹہ بھر کے اندر ہاشمی اور نزہت پہونچ گئے۔ کمار باہر ہی تھے۔ ہاشمی نے انکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ ان کا چہرہ گوناگوں جذبات کا آماجگاہ بن گیا تھا۔
کیسے پتہ چلا ؟" نزہت نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"صبح سے اس مقام کے تقریباً سب گھروں میں پوچھ دیکھا۔ لوگ مجھے مشکوک نظروں سے گھور رہے تھے۔ مجھے بہانا بنانا پڑا کہ وہ ایک نیم پاگل لڑکی ہے تیمارداروں کی غفلت سے فائدہ اٹھاکر گھر سے بھاگ نکلی ہے" کمار نے بتایا "اس کے سوا میری سمجھ میں اور کچھ نہیں آیا"

"ہوں!" ہاشمی نے یک بیک سنجیدہ لہجے میں کہا "لیکن کمار۔ وہ مل چکی کافی ہے ہم اس سے ہرگز اصرار نہیں کریں گے کہ وہ گھر چلے۔ ہمارے خلوص کے منھ پر اس کا فرار ایک طمانچہ ہے۔ میں اس سے نہیں ملوں گا۔ واپس جا رہا ہوں!"

"پاگل ہو گئے ہو" کمار نے ڈانٹا "چلو اندر چلیں!"

نزہت نوشیہ کو دیکھ کر بلبلا گئیں یہ نوشیہ ہی کی حماقت تھی وہ ان کی طرف سے غلط چیزیں سوچتی اور اپنے غم بڑھاتی تھی۔ نزہت کے دل میں اب بھی اسکی محبت جوں کی توں زندہ تھی۔ ہاشمی ایک طرف بددل اور بیزار سے کھڑے تھے!

نوشیہ اب بھی اپنے حواس میں نہ تھی! جب اسے بیدار کیا گیا تو وہ بے ربط باتیں کرنے لگی "تم سمجھتے ہو۔ میں خیرات پاکر خوش ہو جاتی۔ مجھے ابا نے جتنی رقم دی تھی۔ وہ میں نے بےجو کی شادی میں لگا دی۔ ارے کچھ کم خوش ہوئی تھی اس کی ماں۔ مگر میری ماں۔ جب انھوں نے ہیرے کی بالیاں بیچ دی تھیں۔ مگر اکیلی بالیاں کہاں۔ وہ تو سب کچھ گیا۔ میں مٹی کا تودہ لے کر کیا کرتی۔؟ سنو کان کھول کر۔ نبی بخش بھی چلے گئے۔ اچھا ہوا۔ کیا تماشہ ہے۔ ایک ایک کرکے سارے لوگ ــ" پھر وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے مکمل آرام کی تاکید کی تھی۔ نزہت بیگم شبیر سے اس کے متعلق گفتگو کرنے لگیں۔ انھوں نے بہت تفصیل سے بتایا کہ نوشیہ کے ماضی کے حالات کیا تھے۔ بیگم شبیر افسوس ظاہر کرتی رہیں۔

کمار اور ہاشمی باہر چلے گئے۔ لازم ان کے لیے کافی اور سموسے پہونچا گیا!۔

میں سمجھتا ہوں۔ وہ تم سے اس لیے متنفر ہے کہ تم دولت مند ہو۔" کمار نے کہا۔"
اس کے دماغ میں کبھی بھی اثرات مرتسم ہیں۔"

اب کچھ فائدہ نہیں۔ بھائی۔ اس کی راہ الگ، میری الگ ہے۔ میں
تو باجی کی مرضی پر زندہ خودکشی کر چکا ہوں۔" ہاشمی کی آواز سے درد و غم
چھلکا پڑ رہا تھا!۔

مجھے تم یہ بتاؤ کیا تم فرخندہ بیگم کو ہمیشہ کے لیے ڈھول بنا کر گلے میں لٹکانے
پر دل سے راضی ہو؟" کمار نے پوچھا۔

میں کوئی سخت بات کہہ گزروں گا۔ کمار۔" ہاشمی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا
"میرے دماغ میں آندھیاں چل رہی ہیں۔ میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ نوشیہ جیسی
کم سخن معصوم اور بھولی بھالی لڑکی اس طرح سوچ سکتی ہے۔ میں نے تو اس سے
ہمدردی کی تھی!"

وہ بیدرد بن چکی۔ بعض لوگ نہیں چاہتے کہ ان کی غربت کا انہیں بار بار
احساس دلایا جائے۔ بڑے غیور و خوددار ہوتے ہیں۔ میں تم سے کہہ رہا تھا کہ
اس کا مکان اپنے سرمائے سے نہ چھڑاؤ۔ تم نہ مانے۔ اس سے قبل بھی وہ تمہاری
مدد تمھیں واپس کر چکی تھی۔"

کمار۔ کچھ کرو۔" ہاشمی نے گلوگیر لہجے میں کہا۔" وہ چاہے جو کچھ سوچے۔ مگر میں
اس کے بغیر رہ نہیں سکتا!۔ مر جاؤں گا!۔

تمھاری فرخندہ بنیاد۔۔؟" سگریٹ سلگاتے ہوئے کمار نے کہا اور ایک سگریٹ
ہاشمی کو تھما دیا۔

"جہنم میں جائے۔ ابھی باقاعدہ منگنی کہاں ہوئی ہے۔"
انکار کیوں نہیں کر دیتے۔

باجی اپنی بات گرنے پر زہر کھا لینے کی دھمکی دینے لگتی ہیں!۔

بھئی یہ باجی اور آپا قسم کی بہنیں بھی عجیب مخلوق ہوتی ہیں" کمار نے بڑی تشویش سے کہا۔ "انھیں اپنے بھائی کی مرضی کی پرواہ بالکل نہیں ہوتی۔ بلا سے اس کی زندگی برباد ہو جائے۔ لیکن اُن کی بات نہ گرے۔

"یہ لیکچر پھر دے لینا۔ فی الحال کوئی تدبیر بتاؤ" ہاشمی نے جھنجھلا کر کہا۔

کیا تدبیر بتاؤں۔ مجھے اپنی پڑی ہے!" کمار نے کہا۔

"تم پر کیا مصیبت ٹوٹی ہے؟"

یار وہ۔ سرخ بندیا والی مصیبت" کمار نے سر کھجاتے ہوئے بے بسی سے کہا "ایک دن ڈرتے ڈرتے میں نے کہہ دیا تھا کہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں"

مارا نہیں اس نے" ہاشمی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

نہایت دلچسپ ہے" کمار بھی ہنسنے لگے" جواب میں بولی۔ کمار صاحب اگر آپ کی آنکھیں اتنی ہی کمزور ہیں تو اس میں میری کیا خطا ہے!"

ہاشمی کو ہنسی آ گئی" میں سمجھتا ہوں۔ اس کی شادی نہیں ہوتی ہے۔ تم اپنا پیغام بھجوا دو"

ہاشمی۔ ایک ڈرامہ کرو گے" دفعتہً کمار نے پوچھا۔

کیا بکواس ہے۔؟"

صرف اداکاری۔ ابھی ابھی میرے ذہن میں بجلی سی چمکی ہے" کمار نے آنکھیں چمکا کر کہا" تم سے نبی بخش نے کچھ کہا تھا۔ یاد ہے۔ نوشابہ بی بی کو دولتمندوں سے سخت نفرت ہے۔

وہ تو مجھ سے بھی کہتی تھی" ہاشمی نے کہا۔

بس تو تم بالکل کنگال بن جاؤ" کمار نے کہا" عباس بھائی کو اپنا ہمراز بنانا پڑیگا

وہ شروع ہی سے فرخندہ محترمہ اور ان کے گنبد نما والد صاحب سے بیزار ہیں۔ ایک منٹ میں ہمارے ہمراز بن جائیں گے۔ تم ان سے کچھ ایسی گفتگو کرو جیسے اپنا حصہ ان سے طلب کرنا چاہتے ہو۔ اس سلسلے میں تھوڑی سی گستاخی، بدتمیزی اور بے ادبی بھی سرزد ہو جائے تو عباس بھائی کو سمجھا دینا اور ان سے معافی مانگ لینا کہ یہ سب ایکٹنگ ہے۔ مگر یہ بتاؤ۔ ان کے خیالات نوشیہ کے متعلق کیا ہیں۔

نہایت بلند ——!"

ملازم لڑکا برتن بڑھانے آیا۔ دونوں انگریزی میں باتیں کرنے لگے!۔

باجی کو اس پروگرام کی ہوا تک نہ لگے۔ کیا سمجھے" کمار نے کہا "تم میرے کہنے پر چلو سب کام بخیر و خوبی ہو جائے گا۔ اب نوشیہ سے نہ ملنا۔

کچھ دیر بعد ہاشمی باہر ہی سے رخصت ہو گئے!۔ نزہت کچھ دل برداشتہ سی تھیں۔ بیگم شبیر سے اجازت لے کر چلی گئیں۔

اکیلے کمار بیٹھے رہ گئے۔ نوشیہ کی بازیابی کا سہرا انہی کے سر بندھا تھا۔ لہذا وہ خود کو کافی اہم سمجھ رہے تھے۔ شام کو عباس بھی آئے۔ نوشیہ کی طبیعت ٹھیک تھی۔ عباس نے اُسے گلے سے لگایا۔ وہ ان کے سینے سے چپک کر بہت روئی۔

بیگم شبیر نے درخواست کی کہ جب تک نوشیہ اچھی نہیں ہوتی اسے کسی ایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو۔ ڈاکٹر عباس نے اس کا علاج اپنے ذمہ لے لیا۔

تیسرے دن سنی سائیٹار کی فضا پھر بوجھل ہو گئی۔ حسب قرار داد ناصر صاحب کا آدمی نزہت کا جواب سننے آیا۔ عباس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ جب چاہیں وہ رسم لے کر آجائیں۔ نزہت ہکا بکا رہ گئیں۔ انھیں اس کی توقع کہاں تھی۔ خلاف معمول ہاشمی بھی چپ رہے! غرضیکہ رسمی سے تکلف کے بعد ہاشمی کی منگنی فرخندہ سے ہو گئی!۔

اسی شام کو ہاشمی نے عباس سے مطالبہ کیا کہ وہ انھیں ان کی جائیداد کا حصہ دے دیں ہاشمی کا یہ کہنا تھا کہ عباس یک لخت چراغ پا ہو گئے۔ انھوں نے بے تکان ہلکی ہلکی باتیں منھ سے نکالیں۔ گرجتے چلے گئے۔

"صاحبزادے کن ہواؤں میں ہو۔ کیا تمھارے باپ دادا کوئی جاگیر چھوڑ مرے تھے جس کا مطالبہ کر رہے ہو؟ تمھارے باپ نے ریس میں گدھے دوڑا دوڑا کر ساری جائیداد اُڑا دی۔ باپ کبوتر باز تھے۔ دادا بٹیر باز سمجھے۔ ایک سے ایک حبہ کسی نے جوڑ کے نہیں رکھا۔ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ سب میرے زور بازو کا نتیجہ ہے۔ جس پر تمھارے دانت ہیں۔ بے ایمان مفت خورے کہیں کے۔ اگر میں تمھیں اور تمھاری بہن کو سہارا نہ دیتا تو سڑکوں پر ڈیرے ڈالتے پھرتے۔ خبردار جو پھر کبھی حصے بخرے یا بٹوارے کا مطالبہ کیا۔ گھر سے نکال دوں گا۔"

"عباس بھائی۔ منھ سنبھالیے۔" ہاشمی نے بڑی گستاخی سے جواب دیا۔ "میرے باپ دادا آپ کے بھی کچھ ہوتے تھے!"

"گٹ آؤٹ!" عباس نے دھاڑ کر کہا اور نزہت کی آنکھ بچا کر ہاشمی کو آنکھ

ماری۔ اچھا اچھا!" ہاشمی نے للکارا" دیکھ لوں گا آپ کو"

"ارے یہ کیا جھگڑا ہو رہا ہے" نزہت بلبلا کر بیچ بچاؤ کرنے دوڑیں۔ سخت متحیر اور بدحواس تھیں۔ ان کی دانست میں عباس و ہاشمی دودھ اور پانی تھے مل کر کبھی الگ نہ ہونے والے۔ نہ کہ یہ عبرتناک جھگڑا ان میں شروع ہوگیا تھا"

"نزہت اپنے خردماغ بھائی کو اچھی طرح سمجھا دو" عباس نے آنکھیں نکالیں۔

"باجی اپنے دھاندلی باز شوہر کو بھی آگاہ کر دیجئے۔ میرا حصہ مجھے دینا ہی پڑے گا۔ کیونکہ ابھی میں نوکر چاکر بھی نہیں ہوا ہوں" ہاشمی نے جواب میں نزہت سے کہا۔

"سن رہی ہو؟" عباس گرجے "میں دھاندلی کرتا ہوں۔ آگے بڑھ کر لگاؤں دو ہاتھ!"

"ارے کیا میں چوڑیاں پہن کے بیٹھا ہوں" ہاشمی نے مسکراہٹ ضبط کر کے للکارا۔ عباس ان پر جھپٹے تھے کہ نزہت چیخ مار کر ہاشمی کو الگ گھسیٹ لے گئیں اور دُہائی ڈال دی۔

"آپ کو میری جان کی قسم۔ باہر چلے جائیے" وہ رو کر عباس سے بولیں۔ چنانچہ وہ سخت غصے میں بھرے ہوئے چلے گئے۔ اسکیم یہی تھی۔

پھر انھوں نے ایک کمزور دوہتڑ ہاشمی کی پیٹھ پر رسید کیا "بدنصیب۔ بے ادب۔ یہ کیا قصہ شروع کر دیا تم نے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی"

"حد کرتی ہیں باجی" ہاشمی بپھرے" اپنا حصہ ہی تو مانگا تھا ان سے۔ اپنے میاں کی حرکت نہیں دیکھتیں۔ مجھے مارنے جھپٹے تھے۔ جب دیکھو تب باپ دادا

کے طعنے دیتے ہیں احسان جتایا کرتے ہیں۔ میں نے پڑھایا میں نے لکھایا۔ میں نے کھلایا پلایا۔ جرمنی بھجوایا۔ ارے کون سا بڑا کام کیا۔ ابا مرحوم کے باغات بھی تو خود ہضم کر لیے۔ مانگتا ہوں تو مارنے دوڑتے ہیں۔"

نزہت کے حواس گم تھے۔" سر پکڑ کر کراہتی ہوئی بولیں۔" ان کے منھ نہ لگ میرے بھیا! تجھے پتہ ہے کہ ان کا غصّہ جناتی غصّہ ہوتا ہے۔ میں تو مر جاؤں گی اگر تم پر انھوں نے ہاتھ اٹھایا۔ چپ ہو جایا کرو۔ وہ سچ ہی تو کہتے ہیں۔ ہمارا اب رہا ہی کیا ہے۔ ہاشمی!"

تو پھر میرا کیا حشر ہوگا۔" ہاشمی نے فریاد کی۔" میں تو کہیں ملازم بھی نہیں ہوں۔ اگر عباس بھائی کے یہی خیالات رہے تو میں تو ڈوب ہی گیا۔ شادی کے بعد کیا ان کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر خیرات مانگا کروں گا کہ آج فرخندہ کی ساڑی لانا ہے براہ کرم دو سو روپئے عنایت کر دیجیے۔ آج فرخندہ کو پکچر لے جا رہا ہوں۔ اگر سرکار دس پندرہ روپئے مرحمت فرما دیں تو بندہ پروری ہو گی۔! لاحول ولاقوۃ۔ کیا اسی برتے پر آپ شادی کرانے چلی ہیں۔ آپ اپنے بھائی کو شوہر کی بھیک کھلانا چاہتی ہیں!"

ارے کیسے تم دونوں کے دل پلٹ گئے ہیں۔" نزہت کو رونا آنے لگا۔" بھیا کہیں اچھی سی ملازمت ڈھونڈ لے!۔

جی ہاں۔ اچھی سی ملازمت میرا انتظار کر رہی ہے۔" ہاشمی نے انھیں زیادہ بدحواس کر دیا۔" ادھر میں کسی آفس میں پہونچا اور ایک ملازمت دس ہزار تنخواہ کی مجھے مل گئی۔ باجی۔ اب یہ انجام ہوتا ہے کہ میں آپ کے شوہر کا غلام بن جاؤں گا اور فرخندہ آپ کے گھر کے برتن مانجھے گی۔ بلکہ وہ تو بڑے باپ کی بیٹی ہے ان حالات میں مجھ پر لعنت بھیج کر چلی جائے گی۔ وہ سب میں مجھے بدنام کرے گی۔

آپ کو رسوا کرے گی۔ دیکھ لیجیے گا۔ میں تو کہیں کا نہ رہوں گا!"

ارے خدا۔ یہ سب ہونا تھا تو منگنی سے ایک دن پہلے کیوں نہ ہوا۔" نزہت پاگل ہونے لگیں۔ ہاشمی سب کچھ صحیح کہہ رہے تھے!۔

"خیر آپ کہتی ہیں تو میں عباس بھائی سے کچھ نہ کہوں گا۔ اگر وہ ڈانٹیں گے چپ چاپ سن لوں گا۔ ماریں گے سر جھکا دوں گا۔ بہرحال جیسا ماحول گزرتا آیا ہے۔ شادی کے بعد بھی گزرا کرے گا۔ اس عرصہ میں کہیں نوکری بھی مل ہی جائیگی"

نزہت کی جان میں جان آئی۔ ہاشمی باہر چلے گئے۔ کمار صوفہ پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے اور عباس کسی پرائیوٹ مریض کا نسخہ لکھ رہے تھے!۔

زوردار۔" ہاشمی نے کمار سے کہا" پہلا ایکٹ بخیر و خوبی ختم ہوا عباس بھائی زبردست اداکار ہیں۔ خدا کی قسم۔ رتی بھر پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ سب بناوٹی گرج دھمک تھی۔ مارنے تک دوڑے تھے مجھے!"

ویل ڈن!" کمار نے تالی بجا کر تلقاری ماری" اچھا پھر ــ؟"

آہستہ!۔ میں ڈسٹرب ہوتا ہوں" عباس نے سچ مچ بزرگوں کی طرح ڈانٹا" دونوں چپکے چپکے باتیں کرتے اور ہنستے رہے۔ پھر عباس نے بیمار کو رخصت کرکے خود بھی جانے کی تیاری کرتے ہوئے کہا" یہ سب کچھ تو میں کر ہی رہا ہوں۔ کیا تمھیں یقین ہے کمار کہ تم نوشبہ کے خیالات ہاشمی کی طرف منتقل کرا سکو گے؟"

جی بے شک۔ آپ دیکھ لیجئے گا!" کمار نے کہا" لیکن آپ باجی کی پریشانی سے متاثر ہو کر کہیں بھانڈا نہ پھوڑ دیجئے گا!۔ وہ تو میرا سر گنجا کرکے مجھے گھر سے باہر نکال دیں گی"

"میں تمھاری اسکیم میں اس لیے شامل ہو گیا ہوں کہ مجھے خود بھی ناصر علی صاحب ان کی صاحبزادی اور ان کا ماحول پسند نہیں ہے" عباس نے کہا" وہ لوگ

نہایت زر پرست۔ دولت کے دیوانے اور ظاہری چمک دمک کے شیدا ہیں۔ جب کبھی مجھ سے ملتے ہیں۔ یہی اصرار کرتے ہیں کہ ہاشمی کے لیے مجھے ایک الگ کوٹھی ضرور دینی چاہیئے۔ کیونکہ ان کی صاحبزادی ہم لوگوں میں نہیں رہنا پسند کرتیں۔ انھوں نے اکثر واضح کیا کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی میں تقریباً ایک لاکھ خرچ کر رہے ہیں۔ استغفراللہ۔ میں ان باتوں کو نہایت ناپسند کرتا ہوں۔ یہ محض نزہت کی ضد تھی۔ میں تو کبھی حامی نہ بھرتا!"

آپ نوشیبہ کو اس قابل سمجھتے ہیں عباس بھائی کہ وہ آپ کے خاندان میں شامل ہو سکے؟"

کمار نے خوشامد سے پوچھا۔

بالکل۔ میں اس کے والد آفتاب احمد صاحب کو بہت عرصے سے جانتا ہوں نہایت شریف۔ بلند خیال اور وسیع النظر آدمی تھے۔ حد سے زیادہ فیاض اور دریا دل۔ یہی خوبیاں خرابیاں بن کر انھیں لے ڈوبیں۔"

رات کو تنہائی میں نزہت عباس کے سامنے گڑگڑائیں "کیا آپ اس کی ضد کے آگے خاموش نہیں رہ سکتے! بکنے دیجیئے اسے۔ میں نے منع کر دیا ہے۔ آپ اسے نئی روشنی کا پروردہ سمجھکر معاف کر دیا کیجیے"

ٹھیک ہے ٹھیک ہے" انھوں نے گویا سخت بیزاری سے کہا اور سوچنے لگے۔ نوشیبہ کی طبیعت اب بالکل اچھی ہے۔ وہ غیور و خود دار لڑکی ان پر بوجھ بننا نہیں چاہتی اپنے زور بازو سے کمانا چاہتی ہے۔ بیگم شبیر اسے معقول معاوضہ پر کام دینے والی ہیں۔ نوشیبہ کی قدر و منزلت ان کی نظروں میں بڑھ گئی۔ نزہت اپنی راگنی الاپتی رہ گئیں۔ عباس کے خراٹے بلند ہو گئے۔

صبح خوشگوار تھی۔ سنہری دھوپ رنگین دیواروں پر چمکنے لگی تھی مسرور کن ہواؤں کا نغمہ دلکش تھا۔ نوشیہ برآمدے میں بیٹھی تھی۔ ابھی اس کے چہرے پر پچھلی بیماری کی تھکن واضح تھی۔ سفید لباس اور گہرے آسمانی کارڈیگن میں وہ بہت معصوم اور بھولی بھالی لگ رہی تھی!۔ اس کے پاس درشا اور اس کی ممی تھیں۔ کچھ دیر باتیں کرکے اسکی ممی چلی گئیں درشا رہ گئی۔ اُسے کمار لائے تھے۔ کچھ تو نوشیہ کا دل بہلتا!۔

لیکن نوشیہ کا دل عجیب تھا۔ اب اس پر خجالت ندامت اور پچھتاوے کے احساسات بھرپور حملہ کر چکے تھے!۔ اسے یہاں گھر سے زیادہ آرام تھا۔ بیگم شبیر بے پایاں محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ لیکن نوشیہ کی تنہائیاں اس کے لیے جانگسل بن چکی تھیں۔ جب بھی تکیہ پر سر رکھتی!۔ دماغ کی بند آنکھوں کے سامنے ہاشمی کی دلکش شبیہہ آکھڑی ہوتی!۔ ان کا رحم طلب لہجہ دل کو پگھلانے لگتا!۔

جب ہاشمی نے ڈھائی ہزار کی رقم سے اسے خاموش مدد دی تھی۔

جب ہاشمی نے اس کے مکان کو مہاجن کے قبضہ سے چھڑانے کے لیے جان بوجھ کر اپنا باغ بیچ دیا تھا۔ جب انھوں نے اس کی دلدہی کی خاطر اپنے جشن کا لباس اتار کر زمین پر پھینک دیا تھا۔

انھوں نے اس سے التجا کی تھی۔ خدارا تم مجھے اپنا سمجھو۔ اپنے دکھ درد مجھے دے دو۔

اس کی بیماری میں ہاشمی رونے لگے تھے۔ کمار نے کہا تھا کہ اگر ان کے بس میں

ہوتا تو وہ اس کے گرد پھر کر قربان ہو جاتے!۔

پھر اور کون سا جذبہ ہے جسے محبت کا نام نہ دیا جائے۔

نوشینہ اندر اندر رونے لگتی۔

انھوں نے کبھی برملا اظہار محبت جیسی لغو حرکت نہیں کی۔ حالانکہ اونچے طبقے میں دل بہلائی کا یہ سستا طریقہ عام ہے۔ وہ کبھی اس کے قریب تک نہیں آئے۔ انھوں نے دلداری کی خاطر اس کا ہاتھ تک نہیں تھاما۔ وہ سچ مچ اعلیٰ ظرف، بلند خیال اور پیکر محبت انسان ہیں۔ جو صحیح معنوں میں محبت ہیں محبت کرنا جانتے ہیں۔ یہ تو نوشینہ ہی ناسمجھ اور دیر آشنا نکلی!۔

پھر کبھی ہاشمی اس سے ملنے نہیں آئے۔ پتہ نہیں اس سے کس قدر ناراض ہیں لیکن ان کی منگنی بھی تو ہو چکی ہے۔ اب وہ یہاں کیوں آتے؟ خواہ مخواہ۔

ورشا نے سیب کی قاشوں کی پلیٹ اس کے سامنے بڑھائی۔

"کچھ اپنے میں جان پیدا کرو" اس نے پیار سے کہا "تم جو چاہتی تھیں وہ ہوا سنا ہے کہ محترمہ بیگم شبیر نے تمھیں اپنے انڈسٹریل ہاؤز کا نگراں مقرر کر لیا ہے۔ ڈھائی سو ماہانہ معاوضہ دینے والی ہیں۔ مبارک ہو۔ مٹھائی کب کھلا رہی ہو؟"

نوشینہ نے ٹھنڈی سانس لے کر سر جھکا لیا۔

"کیوں کیوں۔ یہ باد تند کے جھکڑ کیوں چلنے لگے؟" ورشا نے بناوٹی حیرت سے پوچھا۔

"کل مجھ سے کمار بھیا کہہ رہے تھے کہ ان کا پیغام تم تک پہنچا دوں!"

نوشینہ بولی

"ایسی تیسی" ورشا بولی "ارے وہ تو ایسے منہ پھٹ ہیں کہ مجھ سے خود ہی کہتے ہیں۔ تم بڑی اچھی لگتی ہو۔ تمھارا سر نہایت پیکل ہے۔ یہ اور وہ واہیات

میں ان کے مسخرے پن کی داد بھی نہیں دیتی۔ !۔

بڑی بے شرم ہو۔ کمار بھیا کی باتیں مجھ سے کہہ رہی ہو۔

" کیا حرج ہے۔ ہم تم بارہ سال کے ساتھی ہیں۔ یاد ہے مجھے۔ شاید سکنڈ اسٹینڈرڈ میں ہماری دوستی ہوئی تھی .... میں تم میں گھل مل گئی لیکن تم کو ہمراز نہ بنا سکی۔ تم وہی گھنّی رہیں !"

" کیا گھنّا پن کیا ہے میں نے ؟"

اپنی کوئی بات مجھ سے نہیں کہتیں !۔

کوئی بات ہو تو کہوں بھی۔

" میں نے تو تم سے کہہ دیا کہ بھیا ہم تمھارے کمار صاحب سے محبت کرنے لگے ہیں۔ مگر پھٹکار میری دوستی پر کہ ایسی کوئی بات تمھاری زبان سے نہ سن سکی !"

خواہ مخواہ کہہ دوں کہ مجھے کسی سے محبت ہے ؟" نوشیہ جلبلائی۔

نہیں ہے ؟" ورشا نے نیلی نیلی آنکھیں نکالیں۔

نہیں " نوشیہ ہنسنے لگی۔

کھاؤ قسم "

واہ۔ خواہ مخواہ "

خواہ مخواہ کیوں۔ سچی قسم کھاؤ "

یہ کیا پیچھے پڑ گئیں میرے "

میں بتاؤں۔ تمھیں کس سے محبت ہے !" ورشا نے دیدے نچائے۔

چل ہٹ !"

ہاشمی بھیا سے۔ !" ورشا نے دبنگ بن کر کہا۔

نوشیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا پھر وہ سفید ہوگئی۔ ورشا نے اس کی یہ تبدیلی دیکھ لی

مگر انجان بن گئی اور آہ بھر کر بولی "اب تو بے چارے پر ترس کھایا جا سکتا ہے۔ محبت نہیں کی جا سکتی۔ اللہ۔ ایسا بدنصیب کبھی کوئی نہ ہو۔ سچ کہتی تھیں تم۔ یہ اجاڑ منھ کا پیسہ۔ بڑا کنبہ ساتھی ہوتا ہے۔ ابھی ہے ابھی نہیں ہے بھگوان!" وہ یتیمی کی سی شکل بنا کر بیٹھ گئی۔

کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو" نوشیبہ اسے گھورتی ہوئی بولی "میں خاک نہیں سمجھی"

آج کل اپنے عزیزوں پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا!۔ ورشا نے کہا۔

بکو بھی تو کچھ!" نوشیبہ نے اس کے بازو پر تھپڑ مار کر کہا۔

کیا بکوں نوشیبہ۔ مجھ سے کمار صاحب نے سارا قصہ کہا تھا۔ بھگوان قسم میں تو سن کر رونے لگی تھی"

پاگل کر دے گی مجھے ورشا۔ آخر ہوا کیا۔

سن سکو گی؟۔

منھ سے تو پھوٹو!۔

ہاشمی بھیا یکبارگی کنگال ہو گئے!"

تمھارے منھ میں خاک!" بے ساختہ نوشیبہ کے منھ سے نکل گیا۔

آہا" ورشا نے ہاتھ نچا کر کہا" تمھیں تو ان سے محبت نہیں تھی؟۔

میں دشمنوں کی بربادی کی خبر بھی نہیں سن سکتی!۔

بڑی تم اولیا اللہ ہو۔

ورشا مذاق پھر کرنا۔ پہلے پوری بات تو سناؤ۔

ہاشمی بھیا کو ڈاکٹر صاحب نے جائیداد اور وراثت سے بے دخل کر دیا ہے!۔

ہاں! یقین نہیں آتا!۔

کیوں بیدخل کر دیا؟"

"کہتے تھے کہ ان کا کچھ حصّہ ہے ہی نہیں۔ ہاشمی بھیا نے بٹوارے کا تذکرہ کیا تھا۔ غصے سے بھڑک کر ڈاکٹر صاحب نے انھیں بیدخل ہی کر دیا۔"

پھر کیا ہوا؟" نوشیہ نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

کیا بتاؤں کیا ہوا؟" درشا نے نقلی آنسو آنچل میں سمیٹتے ہوئے اور ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔" ان کا حال بُرا ہے۔ دیکھا نہیں جاتا۔ بے چارے سخت پریشان ہیں۔ نہ کہیں نوکر نہ چاکر۔ نہ کوئی اور وسیلہ ہے۔ عباس بھائی ہی جیب خرچ دیتے تھے۔ وہ بند کر دیا۔ بے چارے کے ہاتھ میں اب ایک کھنچی کوڑی نہیں رہی! کمار صاحب سے دس روپئے اُدھار مانگ کے لے گئے۔"

دس روپئے؟" شدت غم سے نوشیہ چیخی۔

ہاں۔" ہونٹ لٹکا کر درشا نے افسوس سے سر ہلایا۔" سگریٹ کے لیے۔"

تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہی ہو۔ درشا!

ان کی تباہی کی کہانی تمھیں مذاق معلوم ہوتی ہے۔" درشا الٹا بُرا مان گئی۔

اپنے حق کے لیے وہ کچھ بولے نہیں؟" نوشیہ انگشت بدنداں تھی۔

"حق اگر ہوتا تو بولتے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ بے شک ڈاکٹر صاحب صداقت پر ہیں۔ انھوں نے ہاشمی صاحب اور باجی پر احسانات کیے ہیں۔ ہاشمی صاحب کا مستقبل سنوار رہے ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تمام املاک میں ہاشمی بھیا باجی کو ایک حبّہ بھی شامل نہیں۔ حق کے لیے منہ کھولیں تو کیا منہ لے کر کھولیں۔"

عباس بھائی سے یہ ظلم کیونکر ہوا۔ درشا؟"

ڈاکٹر ہیں نا۔ سنگدل۔" درشا نے بُرا سا منہ بنا لیا۔

لیکن کمار بھیا نے تو کہا تھا کہ ان کی منگنی ہو چکی ہے "

تو اس سے کیا۔ ہزار بار ہوا کرے ۔!

ایسے کنگال آدمی سے ناصر علی صاحب جیسے مالدار آدمی نے اپنی بیٹی کا رشتہ کیسے کر دیا ہے؟ "

" یہ بھی عباس بھائی کی ترکیب ہے ۔ اندر اندر ہاشمی بھیا کو محروم الارث قرار دیا اور ادھر ان کی منگنی مالدار گھرانے میں کر دی۔ اکلوتی سرمایہ دار لڑکی لاکھوں کی دولت جہیز میں لائے گی۔ ہاشمی کا بھرم بھی رہ جائے گا!۔ بے چارے ہاشمی بھیا کی تو وہ مثل ہے کہ اپنا گھٹنا کھولو آپ ہی لاجوں مرو۔ انھوں نے کسی سے کہا تک نہیں۔ یہ تو مجھے کمار صاحب سے معلوم ہوا "
نوشیہ سناٹے میں گم ہو گئی۔

ورشا کو بہت شدت سے ہنسی آرہی تھی۔ مگر اس نے ضبط سے کام لیا۔ کمار نے اسے بھی اپنی سکاری میں شامل کر لیا تھا۔ وہ اسے بہت پسند کرنے لگے تھے۔ ورشا کا نسائی گریز انھیں یقین دلاتا تھا کہ وہ بھی ان کی محبت کے جواب میں محبت ہی عطا کرے گی! ویسے بھی ورشا بہت مخلص اور ہمدرد لڑکی تھی۔ دل سے چاہتی تھی کہ ہاشمی نوشیہ ہی کو ملیں!۔ اس نے صدق دل سے ان کے پروگرام میں حصہ لینا منظور کر لیا۔ چنانچہ اسی نے ہاشمی کے افلاس کی کہانی کمار کی توقع سے کہیں زیادہ بڑھا چڑھا کر اور نمک مرچ لگا کر سنا دی۔
اتنے میں بیگم شبیر آگئیں۔ اور بے حد محبت سے نوشیہ سے بولیں۔

" بیٹی بڑی دیر سے بیٹھی ہو۔ کہیں تکان سے پھر نہ حرارت ہو جائے۔ اب کچھ دیر لیٹ رہو۔ "

آپ نے اسے بی بی چھوئی بنا دیا ہے۔ آنٹی " ورشا تنک کر بولی۔

بی بی پھوپا کیا چیز؟" وہ ہنسنے لگیں۔

یہ تو لڑکی ہے۔ اسے مرزا پھوپا کیسے کہوں" ورشا بولی "آپ بے فکر ہو کر اپنے کام سے جائیے آنٹی۔ یہ مجھ سے باتیں کرے گی تو کل کی اچھی ہوتی آج ہی اچھی ہو جائے گی۔ دیکھ لیجیے گا!"

بیٹی تو پھر تم طلسمات کی پتلی ہو۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

ہاں آنٹی۔ اور میں اس سے اپنی قیمت لیے بغیر جاؤں گی بھی نہیں" وصول کر لوں گی"

آنٹی آپ دیکھ رہی ہیں۔ کام چور نوالے حاضر۔" نوشیہ نے احتجاج کیا۔

آنٹی۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے!" ورشا ٹھنکی!۔

"اے ہاں۔ لو۔ میں بھول گئی۔ یہی پوچھنے آئی تھی کہ اگر بھوک لگی ہو تو میں کھانا بھجوا دوں!"

اس کیلئے پرہیزی مونگ کی دال اور میرے لیے بریانی پکی ہے نا۔ آنٹی" ورشا خوش ہو کر بولی۔ بیگم شبیر نے پیار سے ورشا کے گال پر تھپکی دی۔ اور ہنستی ہوئی چلی گئیں۔

اتنے دن ہو چکے مگر ہاشمی صاحب مجھ سے ملنے بھی نہیں آئے" دبی زبان میں نوشیہ بولی۔

ہاں ہاں۔ تم تو لپک کے ان کے گلے لگ جاتی ہو نا" ورشا نے جل کر کہا۔

"سر کے بل دوڑے آئیں گے تم سے ملنے کے لئے!"

کیسی باتیں کرتی ہو" نوشیہ منھ بنا کر بولی "سبھی آئے تھے خیریت پوچھنے۔

وہ اپنے حالوں گرفتار ہیں۔ یہاں کیا آتے!" ورشا نے کہا "خیر۔ اب ان سے ملوں گی تو کہہ دوں گی کہ نوشیہ بنت آفتاب احمد صاحب آپ کو روز دکر

یاد کر رہی ہیں۔ آپ کے فراق میں نہ دن کو نیند ہے نہ رات کو چین۔ لہذا بھیک دے جائیے اپنے دیدار کی۔ مرنے والے کا ارمان نکل جائے گا!"

نوشیبہ کو ہنسی آ گئی۔" دھجیاں کر کے پھینک دوں گی تمھاری۔ اگر میرا نام لے کر ان سے کچھ کہا سنا۔؟"

ملازمہ کھانا لے آئی۔ ورشا نے بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارے۔ لیکن نوشیبہ کچھ نہ کھا سکی!۔ ہر لقمہ اس کے منھ میں گولا سا بن جاتا تھا

سہ پہر کے بعد ورشا پھر ملنے کا وعدہ کر کے گئی تو نزہت آ گئیں۔ نوشیبہ کو گلے لگا کر روئیں اور کہا کہ اس کے بغیر ان کا جینا آرام حرام ہے۔ نوشیبہ نے ان کے چہرے پر ناقابل اظہار دکھ کے سائے محیط دیکھے اور اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یقیناً شوہر نے جو بداخلاقی ان کے بھائی کے ساتھ کی ہے۔ ان پر اس کا بہت اثر ہے!۔

رات کے کھانے کے بعد نوشیبہ اونی کمبل میں لپٹی دالان میں آ بیٹھی۔ اس کا دل و دماغ ساکت تھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ اسے کیا سوچنا چاہیے! اس نے ریڈیو کی میز پر سر اوندھا لیا۔ اور چاہنے لگی کہ خوب دل کھول کر روئے مگر ایک آنسو بھی اس کی خشک آنکھوں کو تر نہ کر سکا۔ دل جلتا رہا۔ سینے میں آگ سی لگی رہی۔ اور وہ خشک سسکیاں لیتی رہی۔

ریڈیو سے محمد رفیع کی درد بھری آواز ابھر کر اس کے دل میں پیوست ہوئی جا رہی تھی۔

میں نے چاند اور ستاروں کی تمنّا کی تھی۔
مجھ کو راتوں کی سیاہی کے سوا کچھ نہ ملا

اس نے ریڈیو بند کر دیا اور گیٹ کے اوپر بنی نازک سی انیکسی میں آ کر

کھڑی ہو گئی۔ دل عجیب طرح سے مضطرب تھا۔ اس کے سامنے طویل سڑک تھی
ایک رکشا اس سڑک پر چلا آ رہا تھا۔ لیکن رکشے میں جو بھی بیٹھا تھا۔ وہ ہرگز باور
کرنے پر تیار نہیں تھی کہ وہی اپنے زمانے کے پرنس مصطفےٰ احمد ہاشمی تھے!!۔
ہو سکتا ہے کہ عباس بھائی نے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی اجازت بھی نہ دی ہو۔
نوشیبہ کا دل مارے صدمے کے بیٹھنے لگا۔ وہ چپکے سے اندر آ گئی۔ دس منٹ بعد بیگم
شبیر کی ملازمۂ خاص زاہدہ نے اسے اطلاع دی کہ اس کے پاس ہاشمی صاحب
آئے ہیں۔
ورشا چڑیل کے پیٹ میں بات کب ٹکتی ہے۔ یہاں سے مردار سیدھی سنی سائیڈ
گئی ہو گی۔ پتہ نہیں کیا کیا کواس کی ہو گی ہاشمی سے۔ نوشیبہ خود سے جھینپنے لگی!
اسے باہر جانا پڑا۔ ہاشمی کرسی پر بیٹھے تھے۔ سر کو ہتھیلی سے تھامے ہوئے۔
تسلیم۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔
او ہو۔ تسلیم، تسلیم۔ نوشیبہ۔ کہو کیا حال ہے۔ ہاشمی نے جانی بوجھی سنجیدگی اور
بے کسی سے پوچھا۔ ان کے اس انداز کو حقیقی سمجھ کر بے چاری لڑکی نہایت دکھی ہو گئی
ادھر ہاشمی کو بھی اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔ ان کی کامیاب مکاری نے
خاطر خواہ اس کے دل پر اثر کیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کمار کی بدمعاشی کے
قائل ہو گئے۔
نوشیبہ کا جی چاہتا تھا کہ ان سے سب کچھ پوچھے مگر وہ چپ رہی!۔
اب تو غالباً ٹریٹ منٹ کی ضرورت نہیں ہے۔" ہاشمی نے پوچھا۔
جی نہیں! ۔ اس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔
میں اتنی مشکلوں میں گھرا رہا کر آ نہ سکا۔" ہاشمی نے مہمل خاموشی سے
گھبرا کر کہا۔

کیا آپ کی طبیعت بھی خراب تھی؟۔

نہیں ... ہاں کچھ خراب تھی؟" انھوں نے پھر بڑی معصومیت سے کہا۔

" آپ نے تو کہا تھا کہ مصیبت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ آج آپ کیوں گھبرا گئے ہیں!" نوشیبہ نے کہا۔

نہیں ... دیکھو وہ کچھ بھی نہیں" وہ پھیکی ہنسی ہنس دیئے۔

"دنیا ایک اسٹیڈیم ہے" نوشیبہ کو آج اس تباہ حال آدمی پر رہ رہ کر ترس آرہا تھا۔ اس نے نہایت محبت سے نصیحت کی "یہاں تقدیر ہار جیت کے کھیل کھیلتی ہے۔ ہر شکست نئی فتح کی آواز ہے" آپ مجھ سے سبق لیجیئے!"

بس ہو چکا۔ جو ہونا تھا" ہاشمی نے کہا "میں اس بات کو دوہرانا نہیں چاہتا" انھیں اندیشہ ستا رہا تھا کہ کہیں نوشیبہ کے خیالات عباس کی طرف سے خراب نہ ہو جائیں۔ انھوں نے بات بدل دی۔

نوشیبہ۔ کیا تم گھر نہیں چلو گی؟۔

چلوں گی۔ کچھ دنوں بعد" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اور پھر سر جھکا کر بولی" ہاشمی صاحب۔ مجھے معاف کر دیجیئے۔ میں نے آپ کو اپنے سے مختلف سمجھ کر بہت کچھ آپ کا دل جلایا تھا۔ ستایا۔ بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔ اب آپ میری سطح پر آگئے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہے!۔ میں بہت دکھی ہوں آپ کے لیے"

نہیں نہیں نوشیبہ" وہ گھبرا گئے۔ ایسا ہرگز نہ سوچو۔ یہ تو آنی جانی چیز ہیں جیسا کہ میں نے تم سے کہا تھا۔ لیکن مالی اعتبارات کو تم نے ہمیشہ اہمیت دی ہے!"

آپ کو اب پتہ چلا کہ جب آدمی برباد ہوتا ہے تو اس کا دل کیا کہتا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں مرد ہوں۔ ٹھوکر سے چٹان کا سینہ چیر سکتا ہوں جبکہ
تم نے کمزور لڑکی ہو کر اپنا ذریعہ آمدنی تلاش کر لیا ہے۔ مجھے کسی بات کا خیال
نہیں۔ احساس صرف اس بات کا ہے کہ، مجھے تم نے پہلے ہی انہیں سمجھا تھا!
نوشیبہ چپ رہی!۔ کہتی تو کیا کہتی۔ شرمندہ بھی تھی متاسف بھی۔
ادھر ہاشمی کو تعجب تھا۔ یہ کیسے بدل گئی۔ سیدھے منہ نہیں بولتی تھی۔
دیکھنا تک اسے گوارہ نہ تھا۔ یہ نوشیبہ ہی تھی۔ سرکش، تیز مزاج، دل آزار
تو کیا سچ مچ اسے مجبوروں ہی سے پیار تھا!۔ ہاشمی اس کی فطرت پر غور
کرتے رہ گئے۔ وہ اسی لیے ان پر ترس کھا رہی تھی۔ کیونکہ اس کی دانست میں
وہ مفلس اور مظلوم تھے!۔
باجی نے مجھ پر ظلم کیا ہے" ہاشمی نے کہا" حالانکہ میں چاہتا تھا کہ کاش
تم میری اکیلی زندگی میں آ گئی ہوتیں"
باجی کے خلاف ہرگز کچھ مت کہیئے" نوشیبہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا" انھوں نے
ماں بن کر آپ کو پالا پوسا ہے۔ ان کی خوشیاں ملیامیٹ نہ کیجیے گا۔ اور یہ نوشیبہ
قیامت تک پسند نہیں کر سکتی کہ کبھی آپ کی زبان پر میرا نام آئے!"
اتنا برا ہوں میں"
یہ میں نے کبھی نہیں کہا۔
تو پھر!
"مجھے کسی کی حق تلفی ہرگز ہرگز پسند نہیں!"
سچ مچ تم بہت بلند ہو۔
بالکل نہیں۔ میں ہر مظلوم کی جگہ خود کو رکھ کر سوچتی ہوں۔ اگر اس کی جگہ
میں ہوتی کوئی میرا حق غضب کر لیتا تو کیا ہوتا؟"

پتہ نہیں کس طرح ورشانے اس غریب کو حلق تک بھر دیا ہے۔ ہاشمی نے مشکل سے ہنسی ضبط کی۔ نوشبہ چپکے سے اُٹھ کر اندر گئی۔ پھر دس منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھوں پر ٹرے تھی۔ کانی طشتریوں میں سموسے بادام کی لوزیں اور نمک پارے تھے!۔

تم تو یہاں خود مہمان ہو ۔" ہاشمی نے کہا۔

آپ کو اس سے کیا ؟" وہ مسکرائی اور اس عرصہ میں بالکل پہلی بار ہاشمی نے اُسے مسکراتے دیکھا۔ گلابی مرطوب لبوں کے درمیان موتی کی لڑیوں نے ہلکی سی چمک دکھائی تھی اور معصوم بھولے بھالے چہرے پر چاندنی کا نور تبسم بنکر چھا گیا تھا!۔ پہلی ہی بار ہاشمی کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی۔ کاش اس پر ان کا جائز حق ہوتا!۔ وہ اپنی پیالی پر جھک گئے اور انھیں خیال آیا۔ سچ مچ نوشبہ بلند خیال وسیع النظر تھی۔ ان کے افلاس پر اسے ترس آرہا تھا وہ انھیں فرخندہ کا منگیتر سمجھ کر بد دل اور متنفر نہیں تھی!!۔

جب ہاشمی چلنے لگے تب وہ بہت چپکے سے ان کے پاس آئی انکا ہاتھ تھاما اور ایک لفافہ ان کے ہاتھ میں دبا دیا۔

آپ کو میری قسم۔ ہاشمی صاحب۔ اس میں جو کچھ ہے وہ قبول کر لیجیے۔ خدا حافظ" وہ تیزی سے موڑی اور اندر بھاگ گئی۔

ہاشمی سیدھے کمار کے گھر پہونچے۔ ورشا اور کمار بے چینی سے ان کے منتظر تھے ہاشمی نے جیب سے لفافہ نکالا اور کمار کی گود میں پھینک دیا۔ پھر تھک کر کرسی پر گر گئے کمار نے تیزی سے لفافہ چاک کیا اسمیں ڈھائی سو کے نوٹ تھے۔

یہ کیا ؟" کمار نے دیدے نچائے۔

ورشا اچھل پڑی" میں سمجھ گئی۔ اسے بیگم شبیر نے پیشگی معاوضہ دیا تھا۔

تو اس نے آپ پر ترس کھاکر بخش دیا ہے۔
بدمعاش تو نے کس طرح اس بے چاری کو میری مفلسی کی داستان سنائی تھی؟"
ہاشمی نے کمار پر گھونسہ تان لیا۔ غریب بہت متاثر لگ رہی تھی۔
کمار نے ترچھے ہو کر ان کا وار بچایا اور حلق کے بل چیخے " بچاؤ۔ بچاؤ۔
مارے ڈالتا ہے " حالانکہ ہاشمی نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔
ہاشمی بھیا" ورشا انسانیت سے بولی " وہ تو میں نے آپ کی وکالت کی تھی
اس پر وہ ردِ لہجے میں آپ کے غریب ہونے اور عباس بھائی کے ظلم ڈھانے کی داستان
سنائی تھی کہ خود میرے آنسو نکل آئے تھے۔ بھگوان قسم!"
" میں اس کا غم برداشت نہیں کرسکتا۔ ہاشمی نے کہا پھر دانت پیس کر بولے " نہایت
شیطان ہو تم دونوں۔ پکے چار سو بیس۔ خدا بچائے۔ ارے میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ بالشت
بھر کی گڑیا اس قدر آفت کی پڑیا ہے "
ہاں ہاں سنبھل کے۔ ابھی بہت بڑا کنواں پھلانگنا ہے " کمار نے ٹوکا۔
تمہارے چچند ر صاحب کا پہاڑ درمیان میں حائل ہے۔ ادھر فرخندہ بنیاد منھ
پھاڑے تمہارے انتظار میں بیٹھی ہیں نزدیک آؤ تو سموچا نگل جائیں۔ ابھی کیوں
ہاتھ سے بے ہاتھ ہوئے جا رہے ہو"
ان کے لیے کیا اسکیم ہے؟" ہاشمی نے تشویش سے پوچھا۔
ڈھائی سو میں سے دو سو مجھے دے دو تو بتاتا ہوں۔ ورنہ جاؤ ہوا کھاؤ۔ میرے
مشورے مفت کے نہیں ہیں!" کمار نے کہا۔
خبردار۔ ادھر دے دو۔ وہ رقم " ہاشمی نے آنکھیں نکالیں " میرا تو دل بھرا آرہا
ہے۔ افسوس۔ افسوس۔ وہ خود بالکل مجبور ہے۔ مگر اس نے اپنی کل رقم مجھے
دے دی "

ہاشمی بھیا آنسو کسی عبرت ناک وقت کے لیے سیف کسٹڈی میں رکھوا دیجیے "ورشا بے ساختہ ہنس کر بولی "جب آپ کی پول کھلے گی ۔۔ تب کے لیئے ـــــ !"

کمار نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگایا ۔

میں نہیں سمجھتا کہ عباس بھائی، ناصر علی صاحب، ایسے کسی قسم کا جھوٹ بولنے پر آمادہ ہو سکیں گے ان میں عباس بھائی کی بدنامی بھی تو ہے " ہاشمی نے کہا

"عباس بھائی ملکیت میں تمھارا حصہ واقعتاً کچھ بھی نہیں ہے نا؟" کمار نے پوچھا

قطعی !" ہاشمی نے کہا " یہ عباس بھائی کی بے پایاں محبت ہے جو انھوں نے اب تک مجھے ہر طرح کا سہارا دے رکھا ہے ۔ ان کے سرمائے میں ایک فی صد کا بھی میرا حصہ نہیں ہے !"

کمار نے اپنے ملازم گنپت کو آواز دے کر کہا " ذرا دو سیر مٹھائی لانا " اور کنکھیوں سے ہاشمی کو دیکھتے ہوئے لفافے سے بیس کا ایک نوٹ کھینچا دفعتہً ہاشمی ان پر یوں لد گئے کہ دونوں صوفہ سے لڑھک کر فرش پر آ گرے ۔

ورشا بھڑک کر الگ جا کھڑی ہوئی ۔

موذی ۔ حرام خور ۔ ظالم " ہاشمی کمار کو گالیاں دے رہے تھے " لڑکی کی کمائی کھائے گا ۔ رکھ دے ادھر وہ لفافہ ۔ دیکھ بے کمار کے بچے ۔ سچ مچ گردن دبا دوں گا !"

"جیب خرچ ختم ہو گیا " کمار چیخے ۔

"مجھ سے لے لینا " ہاشمی نے ان کے بال مٹھی میں جکڑ لیے "مفت خور ۔ دے ادھر لفافہ"

انھوں نے زبردستی لفافہ چھین لیا ۔ دونوں ہانپتے ہوئے لباس جھاڑ کر پھر صوفہ

جا بیٹھے۔ بکمار نے غرّا کر کہا۔ "اچھا اب تم کھسکو یہاں سے مجھے کچھ لکھنا ہے۔"

"میں خود ہی جا رہا تھا۔" ہاشمی نے برا سامنھ بنا کر کہا۔ "اچھا یار دیکھو جو کچھ بھی کرو خیال رکھ کے کرو۔ عباس بھائی کی عزت پوزیشن اور شخصیت پر کوئی حرف نہ آئے۔"

"جاؤ جاؤ۔ بڑے آئے کہیں سے لقمان کو حکمت بڑھانے کے لیے۔" بکمار نے انھیں ڈانٹ دیا۔ "ٹھہریئے ہاشمی بھیا۔ میں بھی چل رہی ہوں۔ مجھے گھر چھوڑتے ہوئے چلے جایئے گا!" درشاں ان کے پیچھے لپکی!۔

ہاشمی اسے لے کے چلے گئے!!

منگنی کے بعد ناصر علی صاحب نے پر زور مطالبہ شروع کر دیا کہ بس اب جلد سے جلد شادی سے بھی فراغت پا لینی چاہیئے۔ انھوں نے عباس کے نام ایک خط لکھا تھا وہ اپنے کسی طویل مقدمہ کے سلسلے میں دہلی جا رہے تھے! لہٰذا چاہتے تھے کہ شادی کی جھنجھٹ ختم کر کے اطمینان سے روانہ ہوں۔ ان کا عذر معقول تھا۔ نزہت جا اپنے خیالوں کی دنیا میں مگن رہتی تھیں۔ ان کا عذر مان گئیں بلکہ عباس سے سفارش کی کہ جلد تر شادی کی تیاریاں شروع کر دینی چاہیئے۔

عباس کچھ مطمئن تھے کچھ مضطرب۔ بکمار کیا کرنے والا ہے۔ ایک اسکیم تو اس کی بالکل کامیاب رہی تھی۔ نوشابہ کو صد فی صد یقین آ گیا تھا کہ درشاں نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ سب سچ تھا! چنانچہ اس نے اپنی پیشگی تنخواہ تک ہاشمی کو بخش دی تھی۔

عباس ایسے غیر سنجیدہ اور سطحی آدمی نہیں تھے۔ وہ بہت سنجیدہ، شریف اور

مہذب انسان تھے! کمار کی شرارت اور حکمت عملی میں حصہ لینا انھیں پسند نہیں تھا! لیکن وہ بہت مجبور تھے۔ ایک تو انھیں ناصر علی صاحب، ان کی بیٹی اور ان کا حد سے زیادہ ترقی پسند ماحول پسند نہیں تھا!۔ وہ جانتے تھے کہ فرخندہ سر پھری، آزاد خیال اور طرار لڑکی تھی۔ وہ ہرگز کسی ایسے آدمی کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی جو قدامت پرست، کم سخن اور شریف الطبع ہو۔ دوسرے وہ نزہت کو ہلکا سا سبق دینا چاہتے تھے۔ وہ اکثر خود رائی سے کام بگاڑ دیتی تھیں۔ تیسرے انھیں نوشیبہ کے مستقبل کی فکر دامنگیر تھی۔ وہ اسے بہت چاہتے تھے۔ اس کی معصومیت، خود داری، کم آمیزی اور اعلیٰ ظرفی سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے!۔ انھیں وہ بے حد پسند تھی۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ نوشیبہ ان کے گھر میں آئے کوئی ناقدر شناس اس کا ہاتھ نہ تھام لے۔ بس یہی وجوہات تھیں کہ انھوں نے کمار کا کہنا مان لیا۔ نزہت ہرگز ناصر علی صاحب کے سامنے اپنی آن گرنے نہ دیتیں۔ انھوں نے زبان دے دی۔ عباس یہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی بات ہو جائے کہ ناصر علی صاحب خود اپنی زبان سے یا تحریر کے ذریعہ اس رشتے کو فسخ کرنے کا اعلان کر دیں۔ کمار نے انھیں اطمینان دلایا تھا۔ عباس اسی کے منتظر تھے۔ ہاشمی کی طرف سے وہ بالکل مطمئن تھے۔ ہاشمی کوئی کنواری پردہ نشین دوشیزہ تو تھے نہیں جس کی منگنی کے ٹوٹنے سے کچھ بدنامی ہوتی!۔ ہاشمی تو خود بھی فرخندہ کے نام و ذکر سے بیزار تھے۔ ان کی اور نوشیبہ کی خاطر انھوں نے اپنی ذات کو ملوث کرنے کا رسک بھی لے لیا۔ بہت شریف انسان تھے!۔ انھیں اپنے وعدے کا بہت پاس تھا!۔ انھوں نے ہاشمی کو اپنا چھوٹا بھائی اور نوشیبہ کو اپنی اولاد کہا تھا۔

وہ نوشیبہ سے ملنے روز جاتے تھے!۔ اب وہ بالکل اچھی تھی! عباس کا خیال تھا کہ شائد وہ ان کے ظلم کی کہانی سن کر ان سے برگشتہ ہو جائے گی لیکن ان کی حیرت د

مسرت کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ جب وہ ہمیشہ کی طرح سلام کر کے ان کے سینے سے لگ گئی۔ عباس کی پلکیں نم ہو گئیں۔

سچ مچ بہت بلند و عظیم لڑکی تھی سمندر کی سی گہری اور وسیع الخیال۔ اس کے دل میں ان کی طرف سے ہلکی سی کدورت بھی نہیں تھی۔ وہ بہت خوش ہوئے

نوشہ بیٹی اب گھر چلو۔" انھوں نے کہا۔" بہت دن یہاں رہ چکیں کیا تمھیں بچے بھی یاد نہیں آتے؟"۔ بیگم شبیر بھی موجود تھیں۔ انھوں نے عباس سے کہا۔" مسٹر عباس یہ بہت خوش قسمت بچی ہے۔ آپ کو نہیں معلوم جس دن یہ میرے پاس آئی تھی دوسرے دن یکبارگی پندرہ اڈیمیشن مجھے مل گئے تھے۔ متواتر داخلہ جاری ہے۔ میں اسے اپنے سے جدا نہیں کروں گی!۔

عباس ہنسنے لگے! خاتون من۔ خیال تو فرمایئے کہ میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا!۔ آپ دیکھیے کہ اپنے ہاسپٹل کا وقت نکال کر یہاں آتا ہوں۔ میرا کافی حرج ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اسے اجازت دے دیں تو شاید میرا بھی فائدہ ہو!۔

بے شک بے شک" وہ بے ساختہ ہنس پڑی" جس طرح میرے یہاں بچیوں کے داخلے ہوئے۔ آپ کے پاس بیماروں کے داخلے ہونے لگیں گے!"

ایسا میں نہیں سوچتا!" عباس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ بیگم شبیر ان کی ضیافت کے انتظام میں اٹھ گئیں۔

کیا تم نے یہاں سوزن کاری کا کام شروع کر دیا ہے"، عباس نے نوشیہ سے پوچھا۔

مجھے سینا پرونا نہیں آتا۔ عباس بھائی" اس نے سچ سچ کہہ دیا" امی نے کچھ نہیں سکھایا۔ مجھے یہاں بیگم شبیر نے ہوم کی نگرانی پر مقرر کر دیا ہے۔

لیکن کیا یہ چیز میرے لیے گوارہ ہے۔ بیٹی؟۔ میں تمھیں بہت بلند مقام پر

دیکھنا پسند کرتا ہوں۔ ایک زمانے میں نزہت کسی کمپنی میں کام کرنے لگی تھیں۔ لیکن جب میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا تب میں نے انھیں کام نہیں کرنے دیا۔"

عباس بھائی۔ میں دن بھر بیکار کیا کرتی؟" اس نے چپکے سے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ تم ایم۔ اے جوائن کر لو۔ تمھاری خواہش بھی تھی" عباس بولے "ابھی پہلی ٹرم گزری ہے۔ تمھیں آسانی سے داخلہ مل جائے گا!"

وہ چپ رہی۔ عباس نے پھر کہا "مزید براں۔ گھر میں ہاشمی کی شادی کی تیاریاں ہونے لگی ہیں۔ نزہت اکیلی کچھ کر نہیں سکتیں۔ ان کی کوئی سہیلی بھی نہیں ہے۔ تم کم از کم ان کا ہاتھ تو بٹا سکو گی! کیا خیال ہے؟"

عباس نے اس کے جذبات کے سمندر میں پتھر پھینک مارا تھا لیکن اس کے چہرے سے جذباتی مدّوجزر بھانپنے میں قطعی ناکام رہے! وہ انھیں تب بھی پُرسکون ہی دکھائی دی۔

بیگم شبیر نے مجھے پیشگی رقم دے دی تھی" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا "مہینے بھر کا کام تو کرنا ہی پڑے گا۔ پھر میں ضرور آؤں گی!"

کتنی رقم تھی؟"

ڈھائی سو"

عباس نے اتنی ہی رقم نکال کر اس کی گود میں ڈال دی "ادا کر دو۔ اور گھر چلو۔ میں تمھارا یہاں قیام پسند نہیں کرتا۔ معلوم نہیں۔ کیا ماحول ہے۔ کیسے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں!"

وہ کیا کہیں گی؟"

تم یہ سوچ کر میں کیا کہوں گا؟" ان کے لہجہ میں برہمی تھی۔ ایسا لہجہ انھوں نے

آج تک اختیار نہ کیا تھا۔ نوشبہ دل میں سوچے بغیر نہ رہ سکی۔ یقیناً یہ اگر چاہیں تو اپنے ظالمانہ سلوک سے سب پر عرصۂ حیات تنگ کر سکتے ہیں!۔

عباس بھائی۔ آپ امّی سے خود ہی بات کر لیجیے " اس نے کشمکش کے عالم میں کہا۔

"میں ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتا!" عباس نے سرد لہجے میں کہا " انھیں اطلاع دے دوں گا اور تمھیں لے چلوں گا... اگر میں تمھیں اپنی اولاد کی طرح چاہتا نہ ہوتا۔ تو یقین کرو۔ نوشبہ کہ میں تمھیں سخت سزا دیتا۔ تم نے اپنے باپ کے گھر سے کبھی قدم باہر نہیں نکالا ہوگا۔ ؟ تم پردے میں پلی بڑھی ہو۔ شاید تمھاری آواز بھی کسی نے نہ سنی ہو۔ پھر تم نے میرے گھر سے قدم نکالنے کی جرأت کیونکر کی؟ ۔ تم نے سوچا نہیں۔ اچھی لڑکیاں کبھی ایسا اقدام نہیں کرتیں۔ وہ ہر طرح کا ظلم و ستم برداشت کرتی ہیں۔ شرافت سے مر جانا پسند کرتی ہیں۔ لیکن باہر کی دنیا میں جانا پسند نہیں کرتیں۔ نوشبہ تمھیں میری محبت نزہت کی مامتا بری لگی تھی۔ ہمارا پیار تمھیں ناگوار ہوتا تھا۔ کیا مسز تبسیر ہم سب سے بڑھ کر تمھیں چاہتی ہیں؟ ۔ میں نے تمھیں اپنی بیٹی کہا تھا۔ کہتا بھی ہوں سمجھتا بھی ہوں۔ کاش تم نے بھی مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھا ہوتا... ایسا دل شکن سلوک کیا تم نے ہم سب سے!"

نوشبہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا دوسرا جا رہا تھا۔ وہ چپ رہی۔

اتنے میں ملازم چائے لے آیا۔

عباس اٹھ کھڑے ہوئے۔

"گھر آؤ۔ اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر مجھے دو۔ یہاں میں تمھارا مہمان تو نہیں!"

نوشیبہ ہکا بکا کھڑی ہی رہ گئی۔ عباس اٹھے اور کچھ الوداعی کلمات کہے بغیر باہر چلے گئے۔ نوشیبہ کا دل بھرا آرہا تھا۔ عباس نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ سب سچ تھا۔ کوئی غیرت مند لڑکی گھر سے قدم نہیں نکالتی۔ آخر اسنے یہ حرکت کیوں کی تھی۔

اسنے عباس کو پکار کر کہنا چاہا تھا کہ لے چلیئے مجھے اپنے ساتھ!۔ لیکن اس کی آواز آنسوؤں نے گھونٹ دی۔ وہ صوفہ پر گری اور اپنی بے سروسامانی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!۔

ملازم نے بیگم شبیر کو خبر کردی۔ وہ نوشیبہ کے پاس آئیں اور اسے سمجھانے لگیں!۔

"آنٹی۔ اگر میں ان کے گھر نہ گئی تو پھر کبھی نہ جاسکوں گی!۔" وہ روتی ہی رہی۔

"وہ سچ کہتے ہیں بیٹی۔ بیگم شبیر نے سمجھایا۔" یہ تو ان کی محبت ہے کہ ان حالات میں وہ تم سے پہلے کا سا سلوک کر رہے ہیں۔ آج کل کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ تمھیں ان کے یہاں جانا ہی چاہیئے مگر ایک دشواری آن پڑی ہے۔

کیا دشواری ہے؟"

میں اپنے کو کیا کہہ کر تسلی دے سکوں گی۔ میں بھی تمھیں اپنی بچی کے برابر چاہتی ہوں!"

مجھے اس کا احساس ہے آنٹی۔ مگر میں بھی تو بڑی کشمکش میں پڑی ہوں۔

انھوں نے چائے تک نہیں پی؟

جی نہیں۔ بہت ناراض ہو رہے تھے مجھ پر۔ خفا ہو کر چلے گئے۔

تھوڑی بہت باتیں میں نے سنی تھیں!۔

انھوں نے آپ کی رقم واپس کردی ہے۔ آنٹی۔

کیوں؟۔ ان سے کیا واسطہ؟۔

میرے پاس آپ کی رقم خرچ ہوگئی تھی" نوشیبہ نادم ہوکر بولی۔

کیا حرج ہوا۔

جب میں نے آپ کے یہاں کوئی کام نہیں کیا تو معاوضہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ آنٹی۔ یہ رکھ لیجئے"

"تم کسی کی محبت پر بھروسہ نہیں کرتیں۔ نوشیبہ! یہی تو وجہ ہے کہ یوں سرگرداں رہتی ہو۔ رکھو یہ اپنی رقم۔ مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ وہاں جا کر مجھے فراموش نہ کروگی۔۔ میں اگر تمھاری مجبوریوں کو سمجھتی نہ ہوتی یا ڈاکٹر صاحب کو تمھارا سرپرست نہ دیکھتی تو آج ہرگز ہرگز تمھیں خود سے جدا نہ کرتی۔ اب تو میری یہی دعا ہے۔ میری بچی کہ خداوند رحیم و کریم تمھیں قلبی سکون و مسرت عطا کرے"

قلبی سکون؟۔ نوشیبہ سوچتی رہ گئی۔ "آدمی کو اپنے جذبات چھپانے میں جس قدر محنت لگتی ہے شائد کوہ کنی میں بھی اتنی نہ لگتی ہو۔ سنی سائڈ میں ہاشمی کی شادی کی تیاری ہورہی ہیں۔ بھلا میں کس طرح برداشت کرسکوں گی؟۔ نزہت کے ساتھ مجھے بھی ان پُرمسرت تیاریوں میں شامل ہونا پڑے گا!۔ اور بھی بے شمار مرحلے ایسے آئیں گے جب مجھے خواہ مخواہ ہنسنا پڑے گا!۔ چاہے میرا دل اندر اندر پھوٹ پھوٹ کر روتا نہ ہو۔ یا اللہ۔ کیا میں ایک اکڑ دریے لب لڑکی اتنا بڑا صدمہ سہار سکوں گی؟۔ لیکن میں نے خود ہی ہاشمی کو برگشتہ کیا ہے! اگر اپنی محبت کا اشارہ بھی کردیتی تو وہ یک قلم فرخندہ کو ٹھکرا دیتے۔ اب تو وہ بھی مجبور ہوں گے۔ سمجھ چکے ہوں گے نوشیبہ ایسا پتھر ہے جس میں الفت کا

جونک نہیں لگ سکتی ! -

صباح الخیر - محترمہ مس آفتاب احمد" دفعتہ اس نے اپنے سر پر کمار کی آواز کا کرخت اکا سنا - اور چونک کر سر اٹھایا - ورشا اور ہاشمی بھی تھے ! - ورشا مسکرا رہی تھی - کمار بڑے دبنگ نظر آرہے تھے - لیکن ہاشمی اب بھی تباہ حال لگ رہے تھے - ان کے چہرے پر تازگی نہیں تھی - لباس میں بھی نفاست کم از کم نوشیہ کو تو نظر نہیں آئی - بے چاری کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ہاشمی نے جان بوجھ کر دو دن سے داڑھی نہیں بنائی تھی - اور سب سے واہیات کپڑے پہن کر مسہری پر اتنی کروٹیں بدلی تھیں کہ لباس کسی بڑھیا کا جھرّیوں بھرا چہرہ بن کر رہ گیا تھا - ورشا اور کمار ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے تھے - اب وہ بیواؤں کی سی شکل بنائے کھڑے تھے - ورشا سے ہنسی ضبط کرنا محال تھا - کمار تو ان کی شکل پر نظر کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکے - پتہ نہیں کیسا زوردار قہقہہ آزاد ہو جائے -

ارے تو بیٹھئے نا کمار بھیا" وہ چہرہ بحال کر کے آواز سنبھال کے بولی"۔ کیا منت مان کے آئے ہیں کہ کھڑے بیر کا روزہ رکھ لیا ہے ؟"

ہاشمی بھس بھرے تھیلے کی طرح صوفہ پر ڈھلک گئے - ان سے خود ہنسی ضبط نہیں ہو رہی تھی - ایسا بہروپ کبھی کاہے کو بھرا تھا ! -

اب تم کب تک یہاں ڈیرہ جمائے رہو گی !" ورشا نے نوشیہ کی پیٹھ پر گھونسہ رسید کر کے کہا" کچھ ہم تمھارے زر خرید غلام نہیں ہیں کہ اتنی دور سے روز تمھارے دربار میں حاضری لگانے آیا کریں - کچھ حد نہیں ہے حماقت کی -

میں نے غلطی کی" کمار بولے" جب میں یہاں پہونچا تھا تو یہ بیہوش تھیں - اسی اسی وقت کندھے پر لاد کر بھاگ جاتا تو اچھا تھا ! -

کہا بھی تھا آپ نے۔ پاگل لڑکی کی تلاش ہے!" ورشا ہنستی ہوئی بولی۔
"اس حماقت کا تذکرہ نہ کرو۔ ورشا۔ مجھے بہت شرمندگی ہے" نوشیہ
بڑے درد سے بولی۔
"تو پھر اپنی حماقت کا ازالہ کرو" ورشا بولی۔
"ٹھیک ہی تو ہے!" کمار نے لقمہ دیا۔
"آپ لوگ ایک دوسرے کی تائید میں ضرور بولیں گے" نوشیہ کے لبوں پر
ایک مضمحل مسکراہٹ بکھر گئی۔
"میں نے تو بھی تہیہ کرلیا ہے" کمار نے ڈھٹائی سے کہا۔ ہاشمی خاموش بیٹھے
اخبار آہستہ آہستہ پلٹتے رہے۔ "بیکار ایسی باتیں نوٹ کرتی ہو۔ نوشیہ"،
ورشا نے منہ بنالیا۔
"میں تو ان کی ممی کو بہت پسند آیا ہوں" کمار نے خوش ہو کر اطلاع دی۔"
بہت خاطر یں کرتی ہیں میری۔ کبھی پکوڑیاں کھلاتی ہیں۔ کل انڈوں کا حلوہ
زبردستی کھلایا تھا۔ کیا شاندار حلوہ تھا صاحب۔ ابھی تک روح معطر ہے۔
کہتی ہیں کہ بیٹا ہزار نوجوان نظر سے گزرے ہیں۔ مگر تم سا نہیں گزرا" "یقیناً
نہ گزرا ہوگا!" ہاشمی نے کہا "انسانی قد کے برابر گدھا بے پروں کا الو کس نے دیکھا ہے"
"ہائیں۔ کیا آج تک تم نے آئینہ نہیں دیکھا؟" کمار نے برجستہ کہا۔
"بدمعاش ہو۔ تم سے جیتنا مشکل ہے" ہاشمی نے بُرا سا منھ بنالیا۔ ورشا ہنسنے لگی"
خواہ مخواہ ہاشمی بھیا کو کچھ مت کہیئے۔ انہوں کا دل دکھتا ہے!!"
"دکھنے کی بات ہی ہے صاحب!" کمار نے بڑی حسرت سے کہا "میں تو دیکھ
نہیں سکتا!"
"ارے ہاں۔ عباس بھائی کے ستم" ورشا نے سخت دکھ سے کہا۔

"اے۔ عباس بھائی کا نام بار بار مت لو۔" ہاشمی نے کہا۔

"واقعی تم ان کا نام سننا پسند نہیں کرو گے" کمار نے کہا "کیونکہ ——!"

"کمار۔ واقعی میں مار بیٹھوں گا!" ہاشمی نے جلبلا کر کہا۔

"بری بات۔ بڑوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ عباس بھائی تم سے دس بارہ سال بڑے ہیں" کمار بولے۔

"عباس بھائی کو نہیں۔ بدتمیز۔ تمہارا کچومر نکال دوں گا!" ہاشمی بھنا گئے۔

یعنی یہ الٹی گنگا کیسی؟ "کمہار سے بس نہ چلا گدھے کے کان اینٹھے" بے ساختہ کمار کے منھ سے نکل گیا۔ نوشبہ بھی بے اختیار ہنس پڑی "کیوں کمار بھیا۔ اور پھر آپ کہتے ہیں کہ آئینہ نہیں دیکھتے!"

کمار بڑے ڈھیٹ تھے۔ جھینپنے کی بجائے بولے "میں بہت خاکسار واقع ہوا ہوں۔ اگر کوئی مجھے بقراط یا ارسطو کہہ کر میرا مرتبہ بلند کرتا ہے تو میں خود کو احمق اور بیوقوف کہہ کر نارجہنم سے بچ جاتا ہوں۔ مومنو۔ بھائیو۔ کبر و نخوت اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ عجز و انکسار ایسی چیزیں ہیں جو اللہ کے خزانے میں بھی نہیں!"

"پیر و مرشد! آپ اگلا گھر دیکھیے۔ آج یہاں خیرات نہیں بٹ رہی" ہاشمی نے کہا۔

"خیرات میرے مقدر میں کہاں؟" کمار نے ٹھنڈی سانس بھری "وہ تو اس در سے نصیب والوں کو ملتی ہے!"

"اپنے منھ پھٹ" ہاشمی نے تڑپ کر کہا۔ انھیں ڈر لگا کہ کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں نوشبہ نے ان پر ترس کھا کر رقم دی تھی۔

"آپ لوگ کیا بیکار کا مسخرہ پن کر رہے ہیں" ورشا بیزار ہو گئی "کہیے نا۔ یہاں

کیوں آئے تھے ؟"

"کل شام کو ورشا کی منگنی ہے کمار سے !" ہاشمی نے کہا۔

"اللہ۔ سچ مچ !" نوشبہ پھول کی طرح کھِل گئی۔

"میں ہی ملی تھی آپکو بنانے کے لیے" ورشا تنک اٹھی "اے پاگل۔ انکی باتوں پر ایمان نہ لے آنا۔ مجھے تو باجی نے بھیجا ہے۔ تمھیں لینے کو۔ سامان سمیٹو اور چل دو۔!"

"سنی سائیڈ میں ہاشمی کی شادی کی تیاریاں زوروں پر ہیں جناب" کمار نے کہا۔ پھر سخت بُرا منھ بنا کر بولے "کیسا زمانہ آلگا ہے۔ عباس بھائی کو ذرہ برابر بھی رحم نہیں آتا۔ ہاشمی صاحب اینٹیں ڈھو رہے ہیں اور ___!"

"کیا بکواس ہے کمار" ہاشمی نے ڈانٹا۔

"تمھارا گھر مہاجن از سر نو بنوا رہا ہے۔ کمار نے کہا" تم نے تو منظور نہیں کیا کہ گھر واپس لو۔ لہٰذا یہ موصوف پھر دستاویز مہاجن کے منھ پر مار کر اپنی رقم اس سے لے آئے ... بڑھو نمبر ایک پیدائشی ہیں۔ مہاجن جو از سر نو عمارت کی تعمیر کروا رہا ہے تو یہ حضرت وہاں مزدوری کرنے لگے ہیں روز پانچ روپئے مل جاتے ہیں۔ مزدورنیوں کا بھی یہی ریٹ ہے۔ کھانا چائے مفت !"

"کیا بے تکا مذاق کرتے ہیں آپ کمار بھائی" نوشبہ نے کہا ورشا ہنس رہی تھی "اگر میں جھوٹ بولوں تو اللہ کرے اس کمرے کی چھت میرے سر کے بجائے تم سب کے سروں پر ٹوٹ پڑے۔ اپنی تیز آنکھوں کی قسم۔ میں نے خود ملاحظہ فرمایا ہے۔ انھیں اینٹیں گارا ڈھوتے ہوئے"

"میں کہتا ہوں محنت مزدوری میں شرم کی کیا بات ہے ؟" ہاشمی جھلّا کر بولے۔

"کیا آپ کو ڈاکٹر صاحب نے گھر سے بھی نکال دیا ؟" ورشا نے بڑی رازداری سے

ہاشمی سے پوچھا۔ انھیں بے ساختہ ہنسی آگئی "میں تم جیسے شیطانوں سے جیت نہیں سکتا!"۔

بے شک بے شک۔ ہمارا مرتبہ شیطان سے افضل ہے۔ یعنے ہم ایسے ابلیس ہیں جو لاحول سے بھی نہیں بھاگتے!" کمار نے ہنستے ہوئے کہا اور سخت بدمعاشی سے ورشا کو دیکھ کر ہونٹ بھینچے۔

ابے تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا! کمار کے بچے!" ہاشمی نے کہا۔

ضرور ہو جاتا" کمار نے برجستہ کہا "مگر ایک کافر کی محبت مجھے ہمیشہ کافر رکھے گی

بہت بکواس کرنے لگے ہیں آپ!" ورشا چیخی۔

"چور کی داڑھی میں تنکا" کمار نے قہقہہ لگایا! "ارے میں نے آپ کے متعلق تھوڑی کہا ہے!"

چلو نوشی چلیں" ورشا جھلا کر کھڑی ہو گئی "میں تمھاری آنٹی سے اجازت لے آتی ہوں۔ آج میں نے کالج کا بھی ناغہ کر دیا۔

ابھی عباس بھائی بھی آئے تھے!" نوشہ نے دبی زبان میں کہا۔

اچھا؟" کمار نے کہا۔

میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ شام تک آجاؤں گی!" نوشیہ بولی "دراصل بیگم شبیر اپنے کسی کام سے باہر جا رہی ہیں۔ شائد کچھ لڑکیاں ایڈمیشن لینے آجائیں"

تو پھر ہم چلتے ہیں" کمار نے اٹھ کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا "اب سنی سائڈ پر ملیں گے" ورشا بھی کھڑی ہو گئی "مجھے بھی اجازت دو۔ میں بھی ادھر ہی آؤں گی۔ تم آج قطعی جا رہی ہو نا!"

ہاں!" ہولے سے نوشیہ نے جواب دیا۔

ساتھ ساتھ کہاں چلے؟" ہاشمی نے للکارا۔

افق کے پار نہیں جا رہا ہوں!" کمار نے جواب دیا "تمہاری آفت کی پڑیا کو اس کے گھر اتار کر میں چلا جاؤں گا امرود کھانے۔ اگر حجوا بھر سڑے گلے امرود ملے تو واپسی پر تمہارے لیے بھی لیتا آؤں گا!"۔

"کبھی تو مذاق نہ کیا کرو۔" ہاشمی نے کہا۔

"نوکری پر جا رہا ہوں۔ میاں۔ مذاق کی بات نہیں" کمار بولے "تمہارا عبرتناک حشر میرے سامنے ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے ڈرتا ہی رہتا ہوں۔ امرودوں کی نگرانی سے جواب دے کر گارا ڈھونے پر لگا دیا تو میرے ہونے والے بال بچے بن موت مر جائیں گے۔ تمہارے بال بچے مستری کی اولاد کہلائیں گے۔ مجھے یہ پسند نہیں"۔

"یہی ٹھیک ہے کہ دفعان ہو جاؤ" ہاشمی نے انھیں گھورا۔

"اچھا نوشیہ میں چلی! آ رہی ہو نا سنی سائیڈ؟" ورشا بولی۔

"میں بھی چلا" کمار نے مصافحہ کے لیے نوشیہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا "بھگوان حافظ خدا حافظ" وہ ہنس پڑی۔

دونوں ہنستے ہوئے چلے گئے۔ ہاشمی بیٹھے رہے!۔

"یہ کیسا مذاق کر رہے تھے کمار صاحب آپ سے" نوشیہ نے ہاشمی سے پوچھا۔

"کیسا مذاق؟" ہاشمی نے پوچھا۔

"کیا سچ مچ ایسی مصیبت آئی ہے کہ آپ اس منحوس مکان کی اینٹیں اٹھا رہے ہیں!"۔

"ارے وہ بد معاش آدمی یونہی بکواس کر رہا تھا!"۔

"کیا سچ مچ اس مکان کی تعمیر ہو رہی ہے؟"۔

"ہو تو رہی ہے!" ہاشمی نے لاپرواہی سے کہا۔

میری جان کی قسم کھائیے آپ نے اینٹیں نہیں ڈھوئیں۔"

یہ سب باتیں بعد از وقت ہیں۔ نوشیہ!" ہاشمی نے کہا۔" اگر تمھاری یہ ہمدردی اور خلوص مجھے پہلے ملا ہوتا تو میں باجی کی مرضی کی صلیب پر خود کو ہرگز نہ مصلوب ہونے دیتا! تم نے میرے خلوص کی اتنی سی بھی قدر نہیں کی! ۔میری نام نہاد دولت تمھارے اور میرے درمیان وہ سنگی دیوار بن کر کھڑی ہو گئی کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھنے سے بھی قاصر رہے!"

میں تب بھی کسی کے حق پر ڈاکہ نہ ڈالتی!" نوشیہ نے سرد لہجے میں کہا۔

ایک بات پوچھوں! اگر برا نہ مانو۔

"پوچھیئے"

ایک دن تم خود کو میرا محتاج سمجھ کر مجھ سے دور ہو گئی تھیں۔ آج وہی عمل تمھارا میرے ساتھ ہے مجھے تمھارا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ برگشتہ تم سے؟"

میرے اختیار میں دونوں باتیں نہ تھیں!" سر جھکا کر اس نے کہا۔

کیا مطلب؟" ہاشمی چونک پڑے۔

"میں آپ کی شکر گزار تھی۔ مگر مجھ میں یہ طاقت کہاں تھی کہ میں آپ کا احسان اتار سکتی۔"

اور جو کچھ تم کر رہی ہو میرے ساتھ۔ وہ کیا ہے؟"

ایک بے بضاعت کنیز کا نذرانہ ہے اپنے آقا کی خدمت میں!"

نوشیہ؟" ہاشمی فرط جذبات سے پاگل ہونے لگے۔

ہاشمی صاحب.... آپ کو خدا کا واسطہ مجھے سکون سے جینے دیجیئے۔!" اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا" آپ سب کچھ جان گئے۔ مجھے رسوا نہ کیجیے گا!۔

اس کے باوجود بھی سنی سائیڈ کا طوفان بے تمیزی برداشت کر سکو گی؟۔
ہنسی خوشی!" اس نے اس طرح کہا کہ اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے "میرا دل ایک گہرا سمندر ہے۔ اس کے اندر ہلچل ہے، طوفان ہیں۔ مدو جزر ہیں۔ مگر اس کی سطح پر سکون ہے"۔۔۔"
لیکن سمندر دل نہیں رکھتا؟۔
اسی لئے تو میں سمندر سے برتر ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سیلاب لانے کا گنہگار کہلائے۔ مگر میں نہیں" اس نے آنسو پونچھ لیے اور بدستور غیر جذباتی، سیدھی سادی نظر آنے لگی "میری تو بس ایک آرزو ہے۔ جو مقام آپ کا چھن چکا ہے۔ وہ آپ کو خدا کرے کہ پھر واپس مل جائے۔ عباس بھائی کے دل میں خدا از سر نو آپ کی محبت ڈال دے۔ اس گھر کو خدا ڈھا دے جس کی تعمیر میں آپ کا پسینہ شامل ہو۔
زینیہ کیا تمھیں اطمینان ہو سکے گا اگر میں فرخندہ کا کہلاؤں"
اسقدر کم ظرف آپ نے مجھے سمجھا ہے!" وہ طنزیہ ہنسی "میری دعا ہے اللہ کرے کہ ان کے دل میں آپ کی قدر محبت اتنی ہو جائے کہ وہ اپنی جان آپ پر نثار کرنے میں بھی آپ کی توہین سمجھیں!"
اور ہاشمی محبت۔ ایثار اور خلوص کے اس نورانی پیکر کو دیکھتے ہی رہ گئے!۔

نزہت اسے گلے لگا کر رو پڑیں۔
"بے مروت! اتنے دنوں میری یاد نہ آئی۔

وہ شرمندہ ہو گئی۔ آج پھر اُن کے ننھے ننھے بچے امی کے آلپٹے۔
"نوشی باجی۔ آپ چلی گئی تھیں۔ ہمارا دل کسی کھیل میں نہیں لگتا تھا!"
"اب نہیں جاؤں گی" اس نے زبردستی آنسو پیئے۔

نزہت نے ملازمہ سے کہہ کر اس کے لیے چائے ناشتہ منگوایا۔ اور لوا سے بولیں حمام تیار کریں پھر اسے اپنے ساتھ بڑے ہال میں لائیں۔

"اچھا ہوا نوشیہ تم نے مجھ پر رحم کیا۔ دیکھو میں تو پاگل ہوئی جا رہی تھی!" نزہت نے بیٹھتے ہی راگنی چھیڑ دی۔ "اپنی مدد کے لیے کسے بلاتی۔ بیچاری ورشا ایک دن پکڑی گئی اسی کو ساتھ لے کر گئی تھی شوپنگ کے لیے۔ تم چائے وائے پی کر تازہ دم ہو جاؤ تو پھر سب چیزیں چیک کرو اچھی ہیں کہ ان میں کچھ کمی ہے!"

وہ غسل سے فارغ ہو کر آئی تو پتہ چلا عباس بھی آ گئے تھے۔ اس نے جلدی جلدی بال باندھے کچن میں پہونچی اور خاص توجہ سے چائے بنائی۔ بادام تلے۔ املا اسے اتنے دنوں بعد دیکھ کر بولی۔

"بی بی اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ یہاں تھیں تو میرا اتنا ہاتھ بٹا لیا کرتی تھیں۔ آپ کے جانے کے بعد میرا یہ حال ہوا کہ ہاتھ سے چیزیں چھوٹی جاتی تھیں۔ اب تو آپ نہیں جائیں گی؟"

"نہیں تو" وہ محبت سے مسکرائی۔

عباس دروازے کی طرف بیٹھ گئے اپنی ایزی چیر پر نیم دراز کچھ پڑھ رہے تھے۔ کرسی کی پشت پر خوشنما فانوس روشن تھا! نوشیہ دبے قدموں اندر آئی اور بے آواز چلتی پاس آ کر ٹرے ان کے میز پر رکھ دی۔ عباس نے نظریں اٹھائیں۔ ایک نور سا ان کے چہرے پر پھیل گیا۔

"نوشیہ۔ او ہو۔ میری بہن۔ تم آگئیں! خوب خوب۔!"
آپ کی خفگی میں کیسے برداشت کرتی۔ عباس بھائی" اس کا دل بھر آیا آنکھیں بھیگ گئیں۔
مجھے غصہ نہیں۔ صدمہ تھا۔ نوشیہ!" عباس نے کہا "میری باتیں بری لگی ہوں تو معاف کردو"
نہیں نہیں" وہ ان ہاتھوں پر جھک گئی۔
وہ ہزار چاہتی کہ عباس کے ظلم و ستم پر احتجاج کرے۔ لیکن جب بھی ان کے چہرے پر نظریں پڑتیں۔ ان کا عزم بلبلے کی طرح پھوٹ جاتا۔ عباس کا چہرہ بڑا مہربان نرم اور شفیق چہرہ تھا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ کسی کے ساتھ کچھ زیادتی کرتے!۔
پھر آخر ہاشمی کے ساتھ ایسا برا برتاؤ کیوں کیا ہے۔
نزہت نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا۔ تب اس نے سوچا شاید وہ شوہر کی مرضی پر راضی ہوگئی ہوں۔ اُسے ان کی بے حسی پر دکھ ضرور ہوتا تھا۔ یہ کیسی بہن ہیں؟۔ انھیں رنجیدہ اور پریشان تو ہونا ہی چاہیئے تھا!۔ ہاشمی رات گئے گھر آتے تھے۔ بے چاری یہ سمجھتی تھی کہ شائد کہیں محنت کرتے رہتے ہوں۔ اسے کیا خبر تھی۔ سارا دن وہ کمار اور ان کے بے فکرے دوست کمار کے خوشنما بنگلے پر رامی اور کیرم کھیلتے خوش گپیاں کرتے اور قہقہے لگاتے گزار دیا کرتے تھے!۔
ہاشمی کو معلوم تھا کہ وہ پھر سنی سائیڈ چلی آئی ہے۔ لیکن نہ وہ اُس سے ملے نہ نوشیہ نے جان بوجھ کر اُن سے ملنا ضروری سمجھا!۔
پھر اس نے اپنے دل پر رکھا ہوا سارا بوجھ اتار پھینکا! اور نزہت کے ساتھ شادی کی تیاریوں میں لگ گئی!۔
نزہت بڑی چڑچڑے قسم کی خاتون تھیں۔ ذرا ذرا سی بات پر روٹھنے اور منہ بنانے

والی۔ خود ہی کوئی دکھ اپنے پر منڈھ لیتیں اور خود ہی اس کا کوئی حل ڈھونڈ کر مگن ہو جاتیں۔ چنانچہ انھیں اس کی پرواہ بھی نہیں تھی کہ عباس اور ہاشمی میں رسمی سی مغایرت اور نمایاں تکلف پیدا ہو گیا ہے۔ دن بھر دلھن کے لباس کی سجاوٹ میں لگی رہتیں! ۔ ان کا کوئی مددگار بھی نہیں تھا۔ لہٰذا خود ہی بار بار رکشے پر بیٹھ کر چرخ چوں کرتی ہوئی بازار جاتیں۔ فہرست سامان رکھتی نہ تھیں۔ گھر پر اترتے ہی یاد آتا کہ کوئی ضروری چیز رہ گئی۔ الٹے قدموں پھر رکشے میں بیٹھ جاتیں۔ چل دیتیں بازار عباس اپنی گاڑی گھر پر چھوڑتے ہی نہیں تھے۔ نزہت جل کر کئی مرتبہ کہہ چکی تھیں۔ "ارے وہ تو جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں۔ مرد کی ذات ہیں نا۔ کسی نہ کسی طرح دکھ پہونچائے بغیر رہ ہی نہیں سکتے!۔ اب دیکھ لو کہ کتنا روپیہ رکشے کے کرایہ پر اڑ چکا ہے!۔

کمار انھیں زیادہ جلا دیتے "اس کے علاوہ باجی آپ رکشے پر اچھی بھی نہیں لگتیں۔ لاحول ولا قوۃ ڈاکٹر عباس کی بیگم۔ اور چلی جا رہی ہیں مریل سے رکشے پر سوار۔ شوپنگ کرنے کے لیے۔ کل میرے ایک دوست نے آپ کو دیکھ لیا تھا رکشے پر۔ ہکا بکا رہ گیا بے چارہ" نزہت پر خاطر خواہ اثر ہوتا" اب کیا کہوں میں تمھارے عباس بھائی کو وہ تو ـــ ـــ"

"ارے ارے باجی۔ آپ نے اپنے میاں کا نام لے لیا ہے۔ آپ کا نکاح ـــ"

کمار کہتے۔ "بس جی چپ بیٹھو" نزہت کباب ہونے لگتیں۔ "یا یونہی دل کے ارمان خاک ہوئے پڑے ہیں۔ ایک نہ نکلا۔ وہ تو شروع ہی سے نہیں چاہتے کہ ناصر علی صاحب کے یہاں ہاشمی کا رشتہ ہو۔ ان بے چاروں کے مونچھیں ہیں نہ"

"جی ہاں جی ہاں" مارے عقیدت کے کمار جھوم اٹھتے "کیا شاندار مونچھیں ہیں صاحب۔ ہونٹوں پر مور ناچ رہے ہیں۔ ارے میں تو کہتا ہوں باجی۔ ان کا مردانہ

بارعب چہرہ صرف مونچھوں ہی کی وجہ سے ایسا تھا نیدار کی چہرہ لگتا ہے کر میں تو ڈر کے مارے ان کے سامنے کھڑا بھی نہیں ہوا۔ ہاں تو ان مونچھوں کے بارے میں کیا سوءِ ظن ہے عباس بھائی کا۔"

کچھ نہیں۔" نزہت نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔" جھنڈر نام رکھ دیا ان کا۔ دل برا کر دیا ہاشمی کا بھی۔"

کھانسی کے پردے میں کمار نے اپنا قہقہہ چھپا دیا۔ اور ان کی تائید میں بولے" ہاشمی بھی نرے گھا گھس نکلے!۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ فرخندہ بیگم کی مونچھیں تو ہیں نہیں خسر کی ہوا کریں بلا سے۔"

فرخندہ کے بھی سینکڑوں کرم ہو گئے بیٹھے بیچھے۔" نزہت روہانسی ہو جاتیں۔ آپ کیوں دل چھوٹا کرتی ہیں۔ جب ان کا منھ دیکھیں گے تو بس لٹو ہو جائیں گے" کمار نے تسلی دی۔

وہ نوبت تو آئے۔" نزہت بولیں۔

ایک روز رات کو عباس نے اکیلے میں کمار کو روک لیا" کب ختم ہو گا تمہارا ڈرامہ۔ ہفتہ بھر بعد کارڈز ایشو ہونے والے ہیں!۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیئے!۔"

کچھ ایسا چکر تو نہیں چلے گا کہ مقدمہ بازی کی نوبت آجائے۔" عباس نے پوچھا" وہ حضرت بڑے ماہر مقدمہ باز ہیں۔!

آپ یہی چاہتے ہیں نا آپ کے سمدھی صاحب اپنے منھ سے انکار کریں۔

ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔ وہ محاورہ تمھیں معلوم ہوگا۔ سانپ مر جائے لاٹھی نہ ٹوٹے میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ان کی لڑکی پر کسی قسم کی آنچ آئے۔" عباس نے کہا۔

آپ آپخ کی بات کرتے ہیں۔ عباس بھائی۔ ارے ان پر بھاپ تک نہ آئے گی!"

"تم بچے ہو۔ مسخرہ پن نہ کرنا۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔"

باجی آپ کی بہت نشا کی ہیں!" کمار نے شکایت کی۔

کیا؟" عباس مسکرائے۔

آپ کو ہاشمی کے سسرے کی مونچھوں سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا ہے!"

تم بیہودہ ہو" عباس ہنس پڑے "سسرے کیا چیز ہے؟"

اکثر یہاں ورشا آنکلتی۔ اس سے نزہت کی خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ اس نے مشورے دے دے کر ایک سے ایک قیمتی اور شاندار چیز خریدی!۔ اسے پتہ تھا کہ یہ سب کچھ فرخندہ کو ملنے والا نہیں ہے!۔ نزہت اس کی سادگی کے پیچھے چھپی مکاری تک کہاں پہونچ سکتیں۔

ایک دن اس کی ممی بسنتی سیا آئیں اور انھیں خوشخبری سنائی۔ دوسرے روز کمار سے ورشا کی منگنی ہے اور دو ہفتوں بعد شادی۔!

انہی تاریخوں میں ہمارے ہاشمی کی بھی ہے" نزہت خوش ہو گئیں۔

آئیے گا ضرور" ممی چلتے چلتے تاکید کرتی گئیں۔ اور نوشیہ کو سینے لگا کر اس کی پیشانی چومی" تم سویرے سے آجانا۔ اس کی بہت سی سہیلیاں آ رہی ہیں مگر ورشا کو تم ہی سجاؤ گی۔"

میں صبح ہی سے آجاؤں گی ممی۔" نوشیہ بہت خوش تھی۔

ہاشمی دوسرے دن بہت جلد چلے گئے۔ ناشتے کے بعد نوشیہ بازار گئی۔ دو تین چیزیں کمار اور ورشا کے لیے خریدیں پھر سیدھی ورشا کے گھر گئی۔ اس کے گھر میں

ابھی سے چہل پہل تھی اندر گھر کی چھت پر دو دو لاؤڈ اسپیکر حلق پھاڑ رہے تھے۔

دو ستاروں کا زمیں پہ ہے ملن آج کی رات

وہ ممی کو سلام کرکے اندر بھاگی اور سیدھی جاکر ورشا پر اوندھا گئی۔ آج بھی ورشا جوں کی توں تھی نہ شرم نہ تکلف۔ نوشیبہ کے ہاتھ سے پیکٹ چھین کر بولی "دکھا مجھے کیا لائی ہے!"

ایک ڈبیہ سے جگمگاتا ہوا ٹائی پن نکلا۔ ورشا نے اسے الگ پھینکا۔

"کیوں اِترا رہی ہے۔ بے شرم۔ یہ تیرے میاں کے لیے ہے" اس کی ایک سہیلی نے کہا۔

"اے رام۔ اتنا پیارا گلوبند" ورشا نے اس عرصہ میں اپنا تحفہ پیکٹ سے نکال لیا تھا۔ گلوبند آنکھوں پر رکھ کر پیاری سی سسکاری لی۔ پھر نوشیبہ کو چمکا کر بولی۔ "پہن لوں ابھی سے؟"

"ابھی سے نہیں تو پھر کب۔ مار کے نگوڑی ارمان زدہ۔" ایک لکھنوی سہیلی نے دیدے نکالے "صبح سے ممی بے چاری پچاس مرتبہ اسے پھٹکار کر گئی ہیں مگر ذرا جو اس بے غیرت کو خیال ہو۔ سر کھولے منھ پھاڑے دیدے پھیلائے ایک ایک کو دیکھ رہی ہے چکر مکر"

"اور کیا۔ تم ہی جلے منھ کی پھپھو ندریں تو رہ گئی ہو۔ میری ساس نند" ہاتھ نچا کر اور جل کر ورشا بولی "لو اور سنو۔ اِن سے شرمائے میری بلا"

"ہائے رام۔ سنا ہے کہا پنی ورشا کی نہ ساس ہے نہ نند!" ایک لڑکی بولی "غریب سسرال میں کس سے لڑے گی۔؟"

"تبھی تو لاسہ پھٹکی لگا کر بے چارے کمار بھیا کو مار گرایا۔ راج کرے گی اکیلے"

کھسیانی بلّی کھمبا نوچے گی !۔
"کھمبا نہیں ہے گھر میں ۔ پھوس کی چھت ہے ۔"
"کمار بھیا تو ہیں ۔"
اے دیوانی ہوئی ہو تم سب کی سب ۔" ورشا بولی ۔" میں کیوں اپنے میاں کو نوچنے کھسوٹنے لگی ۔"
"ہوائی دیدہ موئی بے شرم ۔"
رجی کہاں کی شرم ۔" ورشا نے کہا ۔" مجھے معلوم تھا ایک دن یہ ہونا ہی ہے ۔ کیوں خواہ مخواہ کی ریاکاری کرتی ۔ من میں پھوٹ رہے ہیں لڈو ۔ اور حد ہے مکاری کی کہ جھوٹ موٹ آنسو بہہ رہے ہیں !۔"
ہنسی خوشی چلی جائے گی سسرال ۔ روئے گی نہیں کسی نے آنکھیں نکالیں میرے دشمن روئیں ۔ میں تو ہنسی خوشی جاؤں گی ۔ ایسا من موہنا میاں ملا ہے ۔"
ورشا نے کہہ دیا ۔" مجھے سر آنکھوں پر بٹھائے گا ۔ امرود کھلائے گا !۔"
ان میں دیر تک بے تکی بکواس پر قہقہے لگتے رہے !۔
سر شام ان کی رسموں کے مطابق تمام میں کمار اور ورشا کی منگنی کا اعلان کیا گیا ۔ سارے مہمانوں میں مٹھائی بانٹی گئی ۔ بڑا پُرتکلف ڈنر دیا گیا ۔ نوشیہ نے ایک بچی کے ہاتھ پھولوں میں رکھ کر کمار کا تحفہ بھیجا ۔ مردانے میں بڑی گہما گہمی تھی کمار کے ساتھ ہاشمی بھی تھے ۔ اس گیارہ بجے رات کو وہ سب واپس ہوئے ۔ نزہت اور عباس اپنے ساتھ نوشیہ کو بھی لے آئے ۔
ایک دن بعد کمار اور ورشا حسب دستور ہاشمی اور نوشیہ سے ملنے آنے لگے ۔ گویا ان میں کسی قسم کا تکلف اور حجاب تھا ہی نہیں !۔
ورشا کی رسم نے نزہت کے سمند رشوق پر تازیانہ لگایا ۔ وہ بڑی تندہی سے

گھر کی سجاوٹ میں لگ گئیں۔

ابھی شادی کے کارڈز تقسیم نہیں ہوئے تھے۔ کہ دفعتہً ایک حادثہ رونما ہو گیا!۔

اچانک ناصر علی خاں صاحب نے عباس کے نام ایک زبردست قسم کا خط لکھا اور اسی پر اکتفا نہیں کی، شام کو خود بھی بنفسِ نفیس ملاقات اور گفتگو کرنے کے لیے آدھمکے!۔

"اوئی اللہ" نزہت بوکھلائی "اب ان کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں کیا جانوں" عباس نے صاف دیدے پھیر لیے "تمھارے سمدھی ہیں۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ ان کے سامنے جاؤ اور تشریف آوری کی وجہ پوچھ لو!"

"جایا جائے گا مجھ سے؟" نزہت نے کہا۔ اور پھر خوشامد کی "اللہ جائیے نا"

عباس منھ بناتے ہوئے باہر گئے۔ نزہت جھپٹتی ہوئی کچن میں گھس گئیں۔ اور جتنی جلدی ممکن ہوا چیزیں تیار کیں!۔ اور پھر لوا سے یہ کہہ کر کہ وہ ضیافت کا سامان باہر بھجوا دیں، خود بھی باہر جاکر دروازے کے پیچھے کھڑی ہو کر عباس اور ناصر علی صاحب کی گفتگو سننے لگیں۔

"قبلہ۔ اس وقت تشریف آوری کی غرض و غایت معلوم نہ ہو سکی!" عباس نے ہاتھ جوڑ کر بڑے فدویانہ لہجے میں کہا۔

"میاں میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر مجھ سے یہ آپ نے کس قسم کا مذاق فرمایا ہے"

ناصر علی صاحب نے بڑے برہم لہجہ میں کہا اور جیب سے ایک خط نکال کر ان کے سامنے پھینک دیا۔ عباس سمجھ گئے کہ بالآخر کمار نے آخری ایٹم پیش کر دیا ہے۔ وہ دل میں ضرور سہم گئے کہ کہیں اس سے کوئی ناگوار اثر ان کے خاندان اور پوزیشن پر

نہ پڑے۔ انھوں نے خط اٹھا کر پڑھا۔ اس میں صاف صاف لکھا ہوا تھا کہ ہاشمی محض کنگال ہیں۔ ان کے پاس نہ جائیداد ہے۔ نہ عباس کے سرمائے اور ملکیت میں ہاشمی کا کچھ حصہ ہے!۔ وہ کہیں نوکر چاکر بھی نہیں ہیں۔ دن بھر ادھر اُدھر آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں!۔ اور اس قابل نہیں کہ ایک سرمایہ دار لڑکی کا ہاتھ ایسے مفلس اور قلاش کے ہاتھ دیا جائے۔ لہذا ناصر علی صاحب سوچ لیں کہ یہ رشتہ ان کے شایان شان ہے بھی یا نہیں۔ کیا وہ عباس کے برتے پر لڑکی کی شادی کر رہے ہیں۔ کیا ان کی دولت مند لڑکی ہمیشہ اپنے اخراجات کے لیے غیر شخص کا ہاتھ منھ تکا کرے گی؟۔

خط کسی گمنام بندہ خدا کی طرف سے تھا!۔

عباس نے خط پڑھ کر ایک لمبی سانس لی اور چپکے سے خط میز پر رکھ دیا!۔

"یہ کیا قصہ ہے؟" ناصر علی صاحب نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا کہ کس بدمعاش نے آپ کو بہکانے کی کوشش کی" عباس بولے۔

"بہکانے بھڑکانے کی بات رہنے دو۔ میاں" حضرت نے کہا "یہ کہو کہ اس خط میں جو کچھ تحریر ہے وہ امر واقعہ ہے یا نہیں ہے!۔"

"اب میں کیا عرض کروں جناب۔ روپیہ پیسہ کبھی میرے نزدیک اہم نہیں رہا۔"

"ہاشمی صاحب کہاں ملازم ہیں؟"

"انھوں نے جرمنی سے سی۔اے کا ڈپلوما لیا ہے اور ——————"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں۔ لیکن ملازمت کا کیا ہوا۔"

"جی قبلہ کوشش تو وہ بھی کر رہے ہیں اور میں بھی لیکن ملازمت کا سوال یہ ہے کہ وہ من چاہی نہیں مل سکتی۔ اور ہاشمی تین چار سو کی ملازمت کر نہیں سکتے!"

"آپ نے پہلے نہیں کہی تھی یہ بات!"

میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ مہمل ترین موضوع ایک دن زیرِ بحث آسکتا ہے؟"

مہمل ترین موضوع۔ کیا خوب؟" ناصر علی صاحب کا چہرہ آگ بگولہ ہونے لگا۔ "جب آپ اس موضوع کو خارج از بحث سمجھتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اپنا سرمایہ آپ نے اپنے سالے کے نام نہیں کر دیا"

عباس کو ہنسی آ گئی "معاف فرمائیے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں اور میرا سالا الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ جو کچھ میرا ہے وہ اس کا بھی ہے۔ اس صورت میں منتقلی کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہ جاتی!"

آپ کی پالیسی گہری ہے" ناصر صاحب نے مزید خفا ہو کر کہا "میں نہیں جانتا کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟... بہرحال میں کہے دیتا ہوں کہ میری لڑکی آپ کے یہاں آپ کی دست نگر بن کر ہرگز ہرگز نہیں آئے گی!"

"چچا جان!" اچانک پردے کے پیچھے سے نزہت بے ضبط ہو کر بول پڑیں "خدا کے لیے انصاف کیجیے۔ اتنی معمولی سی بات کو آپ نے پہاڑ بنا لیا ہے۔ ارے آج نہ سہی کل ہاشمی کو ملازمت مل جائے گی!۔ تب تک ہم لوگ آپ کی بچی کو اپنی آنکھوں کی روشنی بنا کر رکھیں گے۔ اور آپ کو کوئی شکایت ____!"

"عباس میاں۔ آپ کو ہسپتال سے کیا ملتا ہے؟" ناصر صاحب نے پوچھا۔

جی جناب۔ بس۔ بارہ سو روپیے۔ ذاتی پریکٹس میں کرتا نہیں!۔

بس؟" بے حد حقارت سے وہ بولے۔

اور کچھ آمدنی سالانہ باغات کی فصل بیچنے سے ہو جاتی ہے!" عباس نے نیاز مندانہ لہجے میں کہا۔

لاحول ولاقوۃ۔"

کیا مطلب؟" عباس نے غصے میں بھر جانے کا مظاہرہ کیا۔

مطلب یہ کہ میری لڑکی کا ماہانہ خرچ دو ہزار سے کم نہیں ہے" ناصر علی صاحب نے کچھ اور کہنا چاہا تھا کہ عباس نے بڑی جرأت سے لقمہ دیا۔

"ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ"

ناصر صاحب کی بات کٹ گئی۔ اتنے میں ملازم دو تین کشتیاں چائے پھل اور نمکین لوازمات سے لبریز لیے ڈرائینگ روم میں پہونچ گئے۔ لیکن ناصر علی صاحب کو کچھ کھانا پینا نہیں تھا وہ میز پر ہاتھ ٹیک کر اٹھ گئے۔

"مجھے مجبور سمجھو۔ عباس میاں۔ میں یہ رشتہ ختم کرتا ہوں"

واہ جناب۔ یہ آپ نے کیا فرمایا ہے۔ یعنے وہ منگنی محض بچوں کا کھیل تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ منگنی ٹوٹ بھی سکتی ہے!" عباس نے احتجاج کیا۔

"ٹوٹ سکتی نہیں۔ صاحبزادے۔ میں کہتا ہوں۔ ٹوٹ چکی۔ خیانت کا شکریہ۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس خط میں کچھ صداقت ہے لیکن یہاں تو معاملہ زیادہ زبوں نظر آرہا ہے۔ صرف بارہ سو روپئے تمھاری تنخواہ" ناصر صاحب نے کہا اور اپنا بید اٹھا کر رخصت ہونے لگے!۔

"یہ کہاں کی شرافت ہے" عباس نے فریاد بلند کی" اب جبکہ سب تیاریاں ہو چکیں اور رقعے تقسیم ہونا باقی ہیں!"

"آپ ہم کو کنگال بنا رہے ہیں" نزہت آئیں تو جائیں کہاں تڑپ کر بولیں "ارے کس بدذات نے ایسا خط لکھ مارا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ ہاشمی اپنے باغات کا اور دو کوٹھیوں کا بلا شرکت غیرے ———— !"

"بیٹی میں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتا" ناصر صاحب نے بات ختم کردی"

مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ میری طرف سے آپ کے برادر معظم آزاد ہیں ۔۔۔ خدا حافظ۔"

ان کے رخصتی قدم نزہت کے سر پر پڑ رہے تھے۔ دھم دھم جیسے وہ زینہ نہیں اتر رہے تھے! ۔انجن اسٹرک کوٹ رہا تھا! پھر بے چاری نزہت سر پکڑ کر رونے بیٹھ گئیں۔ ان کے اطراف اب تو سب ہی تھے!۔ عباس جیسے چارہ گر۔ کمار کے سے غمخوار۔ نوشیہ کی سی جاں نثار اور ورشا کی سی ہمدرد۔ نوکر چاکر۔ پرانی بوا۔ بچے بالے سب۔ مگر سب کے سب مُہر بلب!۔ گم صم۔ دم بخود۔ سناٹے میں صرف نزہت کی آہ و فغاں گونج رہی تھی!

دیر بعد کمار نے کھانس کر گلا صاف کیا۔"بڑے بدمعاش نکلے!"

دیکھو تو" عباس نے ہنسی ضبط کر کے کہا۔

"پتہ نہیں کون دشمن جان تھا۔ جس نے ایسا بدذات خط لکھ مارا" ورشا نے کنکھیوں سے کمار کو دیکھ کر کہا۔

ارے غضب خدا کا" نزہت کا حال ابتر تھا" کون کہتا ہے کہ میرا بھائی کنگال ہے۔ وہ تو ایسے درجن بھر سرمایہ دار خرید کر اپنے پر سے صدقہ کر دے۔ یہ کون موت پڑا تھا جس نے اس بڈھے کو بہکا دیا۔ اس پر خدا کی مار آئے۔ ہائے اب کیا ہوگا؟"

"ارے کون سا تمھارا بھائی کنواری دوشیزہ ہے کہ ہائے اللہ کہہ کر بیہوش ہو جائے گا"

عباس نے کرارے لہجے میں کہا" اچھا ہوا کہ اس گھمنڈی بڈھے کا ظرف معلوم ہو گیا ورنہ بعد کو جو جنگ زرگری اور چڑیا نوچن مچتی۔ اس سے تمھاری جان ضیق میں پڑ جاتی!"

"ہاں ہاں۔ ابھی کونسی ہاشمی کی عمر سو سال کی ہو گئی ہے کہ اسے لڑکی نہ ملے گی"

کمار نے نہایت اپنائیت سے درد بٹایا۔" اسے ایک سے ایک عمدہ لڑکی مل جائے گی!"

"چھوڑو ہٹاؤ۔ میں کہتا ہوں۔ یہ بحث نہایت ہی بکواس ہے۔ اسے ختم کرو اور یہ سوچو کہ کس پیرائے میں خدا کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے ہمیں ایسے لالچی انسانوں کے جبڑوں میں جانے سے بال بال بچا لیا!"

نزہت کی حالت غیر تھی۔ بہت روئیں دھوئیں۔

اتنے میں ہاشمی بھی آ گئے۔ گھر کا رنگ بے ڈھب دیکھا فوراً سمجھ گئے کہ کمار کا آخری حربہ کارگر ہوا ہے۔ مگر انجان ہو کر پوچھا۔

"کیا بات ہے آپ سب خاموش کیوں ہیں!"

نوشیبہ ہونٹ چبانے لگی ہائے ہائے انہیں اب یہ جذباتی صدمہ بھی پہنچے گا؟ "آپ کی منگنی ٹوٹ گئی" ورشا نے منہ لٹکا کر بڑے دلدوز لہجے میں اطلاع دی۔

"کب؟" ہاشمی اچھل پڑے۔

"ابھی!" کمار نے اس لہجے میں کہا جیسے ان کا دم نکلا جا رہا ہو۔

"کیسے ٹوٹ گئی؟" ہاشمی نے بڑے غصے سے پوچھا۔

"انہیں کسی نے بہکا دیا تھا کہ تم مفلس کنگال ہو۔ نوکر چاکر نہیں" عباس بولے اور اپنی دانست میں ڈرامہ کا ڈراپ سین کر کے چل دیئے!۔

"باجی آپ رو رہی ہیں!" ہاشمی نزہت کے پاس جا بیٹھے اور پیار سے انکے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔

"کیا کیا ارمان تھے" نزہت بولیں۔

"کیا وہ سب فرخندہ پر ختم ہو چکے باجی" ہاشمی نے کہا اور ان کا سر اپنے سینے سے لگا کر ان کے آنسو پونچھنے لگے! آخر بہن تھیں۔ ہاشمی ان کے آنسو برداشت نہ کر سکے!۔

باجی اگر آپ ابھی روئیں دھوئیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا!"

ہاشمی نے کہا" میری شادی آپ نے مسئلہ بنائی ہے۔ ہو رہے گی کہیں نہ کہیں۔ کسی اچھی لڑکی کا انتخاب کیجئے۔ فرخندہ کا نام اب نہ لیجیے گا۔"

"کہاں بھلا کے انتخاب کروں؟" نزہت بولیں۔

"تلاش کیجیے باجی۔ اپنے آس پاس" کمار نے کہا" ڈھونڈنے سے تو خدا ملتا ہے۔ آپ کو ایک ننھی منّی لڑکی نہیں ملتی! ۔ واہ بھئی!!"

"سب مل کے آؤ۔ یہ کشتیاں صاف کریں" عباس نے دروازے سے ہانک لگائی

"میں تو پیٹ بھر کے خشک میوے کھا چکا ہوں۔ کمار۔ یار ہری اپ!"

یس سر!" کمار نے ایڑیاں بجا کر سلوٹ کیا اور فوجیوں کی سی چال سے باہر ہولیے۔ عباس نے انھیں آنکھ ماری۔

الحمد اللہ!" کمار نے قراءت سے کہا" کہیئے کیا کسی پہ آنچ آئی۔ وہی مثل ہوئی نا کہ ہلدی لگی نہ پھٹکری رنگ چوکھا آیا۔ مگر باجی کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم بدمعاش ہو!" عباس نے کہا۔

حسن ظن ہے آپ کا صاحب۔ میں تو کچھ بھی نہیں!" کمار نے خاکساری کی

"اب بتاؤ۔ کیا اپنے منھ سے کہا جائے گا نوشبہ سے کہ وہ ہاشمی کو قبول کرلے؟"

"ڈٹ کے کہا جائے گا!" کیک کے ٹکڑے منھ میں بھرتے ہوئے کمار نے کہا" آپ تو اللہ کے فضل سے لڑکے والے ہیں"

عباس ہنسنے لگے" آج بہت سکون و اطمینان محسوس کر رہا ہوں!"

دعا دیجئے مجھ غریب کو!" کمار نے سر جھکا دیا۔

عباس نے ان کی پیٹھ پر پیار سے گھونسہ رسید کر دیا۔ "تم نے نوشیہ اور ہاشمی کی زندگی بنادی۔

بہت ثواب ملے گا!"

عباس نے نوشیہ کے ہاتھ سے اس کی تقرری کا پروانہ چھینا اور دفعتہً اس کے پرزے اڑا دیے۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" نزہت نے ہکا بکا ہو کر کہا۔

"میں نے کہہ دیا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے اُسے کسی بات کی کمی نہ ہو گی!۔ اس کے شوق کی چیز تھی۔"

"سبحان اللہ" عباس نے جل کر کہا پھر ہاتھ ملا کر نوشیہ سے بولے "جاؤ بھاگو تم کافی لے آؤ۔"

وہ پژمردہ سی کچن میں آئی! اور بد دلی سے کافی بنانے لگی!۔

"ایک کپ میرے لیئے بھی!" پچھلی کھڑکی سے ہاشمی جھانک رہے تھے!۔

"کوئی کیا کہے گا؟" نوشیہ بجھے دل سے مسکرائی۔

"کیوں۔"

"آپ چھپ چھپ کر دیکھتے ہیں۔"

"کیسے دیکھتا ہوں۔"

"میں کیا جانوں۔"

سنیئے۔ہاشمی صاحب۔!

سنائیے۔ نوشیہ صاحبہ۔

میں اتنی خوش تھی کہ مجھے مدرسہ میں ملازمت مل گئی ہے۔ پورے پونے

دوسو تنخواہ تھی۔"

خدا کی پناہ۔ ایسی زبردست تنخواہ۔ ؟۔" ہاشمی نے دل تھام لیا۔

"۔آپ کو اب بھی سرمائے کی قدر نہیں ہے۔"

بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اب یہی کہ میں نے تمھارے مکان کی اینٹیں ڈھو

ڈھو کر اب تک تقریباً پچاس روپئے جمع کر لیے ہیں!۔

ہپا۔ پچاس روپیئے!۔" نوشیہ کے ہاتھ سے پیالی چھوٹتے چھوٹتے بچی۔" یہ

آپ پھر نامراد مکان کی اینٹیں اٹھانے کیوں پہونچ گئے۔

کیا کروں۔ پیٹ بھرنے کے لیئے کچھ تو چاہیے۔"

آج عباس بھائی سے لڑ پڑوں گی۔!

کیوں کیوں؟....

ایسے ہی!"

واضح رہے کہ انھیں لڑنا نہیں آتا۔ مجھ سے لڑیں تو ایک بات بھی تھی۔"

آپ جانتے ہیں لڑنا؟"

"بالکل!۔"

نوشیہ کافی کی ٹرے لے کر باہر چلی گئی۔ ادھر سے گھوم کر ہاشمی بھی پہونچ گئے۔

عباس کسی بات پر ہنس رہے تھے!۔ نزہت بھی خاصی خوش دکھائی دے

رہی تھیں۔

لاؤ بھئی لاؤ۔ خدا تمھیں سلامت رکھے۔" عباس نے کہا۔" ایک دیکھو کہ تم

نوکری کرنے چلی تھیں وقت بے وقت مجھے چائے کافی کون دیتا!"

"بڑے اچھے آپ" نزہت نے دلار سے کہا" نوشی کو گھر کی ملازمہ سمجھا ہے؟"

توبہ توبہ" عباس نے کانوں پر ہاتھ رکھ دیئے" یہ کیا خرافات ہے۔ میں تو نوشیہ کو اپنی بچی سمجھتا ہوں۔ نزہت۔ تم اپنے خیالات درست کرلو۔!

اس کی ملازمت ہو جاتی اچھی خاصی" نزہت بولیں۔

کیوں ہو جاتی؟" عباس دہاڑ کر بولے۔

نزہت ہنسنے لگیں!۔

میں بھی یہی چاہتی تھی" نوشیہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

تم اپنی ننھی سی عقل سمیت خاموش رہو!" عباس نے اُسے بھی ڈانٹ دیا۔

چائے کافی کے بعد نوشیہ چلی گئی۔ ہاشمی نے اس کے جاتے ہی کہا۔

آپ سمجھے نہیں۔ عباس بھائی۔ وہ اس لیے ملازمت کرنا چاہتی ہے کہ ۔۔۔!

"آپ کون ہیں" عباس نے اشارے سے منع کیا!۔ نزہت معاملہ جان چکی تھیں انھوں نے پھر اپنی لن ترانی شروع کر دی۔

" سوچا تھا کہ اچھا رشتہ ہے۔ مگر ان پر خاک پڑے۔ بیٹھے بٹھائے ایک نشوشہ چھوڑ دیا"

" نزہت میں پوچھتا ہوں۔ یہ جو تم اپنے کندھوں پر اتنا بڑا سر لیئے پھرتی ہو۔ اس میں کچھ بھس بھی ہے کہ وہ جگہ بالکل کرائے کے لئے خالی ہے!"

کیا میں نے اپنی طرف سے کوئی بات کی ہے؟" نزہت کے تیور برے تھے۔

"کچھ حد ہے پاگل پن کی" عباس نے کہا" وہ جو کہتے ہیں کہ چراغ تلے اندھیرا۔ تم اسی حماقت کی شکار رہو۔

بتائیے بھی تو۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

نزہت۔ اپنے مختصر سے خاندان میں شامل کرنے کے لیئے کسی ایسی لڑکی کو تلاش کرو جو تمھیں پیار محبت، یگانگت، خلوص اور ہمدردی دے سکے!"

عباس نے سمجھایا۔ "تم نے جس لڑکی کو پسند کیا تھا۔ وہ ان صفات پر پوری نہیں اترتی تھی۔ چنانچہ تم نے دیکھ لیا کہ جیسے ہی ایک فرضی غلط بات ان بُرے میاں کو معلوم ہوئی وہ کیسے برافروختہ اور چراغ پا یہاں آئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ چھوٹتے ہی تھپڑ مار دیں گے۔ تم بتاؤ۔ کیا تمھاری فرخندہ تمھاری اچھی بھاوج ثابت ہوتیں؟"

اب ان کا کیا تذکرہ" نزہت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ایک بھاوج اپنی تم نے تلاش کی تھی۔ اب اجازت دو تو دوسری میں ڈھونڈ دوں!"

کوئی لڑکی آپ کی نظر میں ہے؟"

شہرورخ سے تھی"

اللہ تو بتایئے نا!

اگر تم بڑی عقلمند ہو تو خود بوجھ لو۔!

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے!۔

آداب عرض کرتا ہوں۔ جناب!" کمار صاحب بھی ٹپک پڑے بساتھ میں ورشا بھی تھی۔

بھئی چائے لاؤ کمار کے لیے!" عباس نے کہا۔

کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے!" کمار نے پوچھا۔

پرانا مسئلہ" عباس نے قہقہہ لگایا" اگر ہاشمی کی شادی ہو چکی ہوتی تو اب تک وہ دو بچوں کے باپ بن گئے ہوتے!"

ہفتہ بھر کے اندر اندر؟" کمار نے آنکھیں پھیلائیں۔

یہ تو یہی کہتی ہیں" عباس نے نزہت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

بھابی اب لڑکی گھر کے اندر تلاش کیجیے!" ورشا بول پڑی۔

گھر کے اندر" نزہت تعجب سے بولیں۔

ہاں باجی یہ آپ سوچیے کہ جو انسان کچھ لیتا ہے اس کا کیا مقام ہوتا ہے اور جو انسان کچھ دیتا ہے لوگ اُسے کیا سمجھتے ہیں!" کمار نے کہا۔

میں بھی بڑی دیر سے یہی سر مار رہا ہوں کہ اب یہ چکر اور فرخندہ کا ماتم بند کرو۔ دوسری بات سوچو۔ لیکن تمھاری باجی ضرورت سے زیادہ عقلمند واقع ہوئی ہیں" عباس بولے "ادھر ان کا ذہن ہی نہیں جاتا!"

"آپ سوچتی ہیں باجی کہ وہ آپ کے پاس پناہ گزیں ہے۔ اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ وہ آپ کی دست نگر ہے۔ آپ کو کچھ دے نہ سکے گی!" کمار نے سفارش کی۔

نزہت دیر تک یہ پہیلیاں نہ بوجھ سکیں! لیکن جب کمار نے معمہ حل کر دیا تو ان کے چہرے پر عجیب سی خوشی بکھر گئی۔

لیکن۔ نوشینہ۔ کیا کہنے گی؟" وہ ہکلا گئیں۔

وہ غریبوں سے بہت محبت کرتی ہے۔ بھیرٹے لے گی تمھارے کنگال بھائی کو" عباس نے کہا۔

کیوں آپ اسے احساس دلاتے رہتے ہیں کہ آپ کے حصے میں اس کا کچھ نہیں ہے" نزہت ردہانسی ہو کر بولیں۔

باجی کیا بیکار باتیں آپ کرنے لگتی ہیں" ہاشمی نے بات کاٹ دی۔

ان میں بحث۔ تکرار ہوتی رہی۔ ورشا اندر بھاگی اور نوشیہ کے گلے میں جھول گئی۔

چلو تمھارا ارمان پورا ہوا۔ مجھے کہتی تھیں کہ چالاکی سے میں نے کمار کو مار گرایا اپنی نہیں کہو گی۔ چھ فٹ اور بارہ من کے جانور کا تم نے بھی شکار کر لیا۔"

پتہ نہیں کیا اوٹ پٹانگ بکواس ہے" نوشیہ نے اسے پرے ڈھکیل دیا۔

ہاشمی سے شادی کرد گی!۔

مار بیٹھوں گی ورشا!"

اتنی سی بات پر حواس گم ہو گئے۔؟۔

تم ہو گئی ہو بدحواس۔ میرے ہوش اللہ کے فضل سے قائم ہیں!"

جھوٹ نہیں بولتی۔ اُدھر یہ باتیں طے ہو گئیں۔ ہاشمی بھیا منگنی کے ٹوٹنے سے بورا گئے ہیں اگر انھیں جلد ترسہارا نہ دیا گیا تو خدا جانے وہ کن غلط دلچسپیوں میں کھو جائیں گے!" ورشا نے نہایت دلدوز لہجے میں کہا۔ حالانکہ ہاشمی ان دنوں جتنے خوش و خرم تھے! شاید زندگی بھر کبھی نہ رہے ہوں گے!۔

تو میں جا کر کیا کہوں باجی سے!" ورشا نے زبردستی مشاطہ کی خدمت اپنے سر لے لی۔

مجھے کچھ نہیں معلوم" نوشیہ نے سر زانوؤں میں دے دلیا۔

ہاشمی کا تو سب کچھ لٹ چکا تھا۔ اس نے سوچا۔ ان کا غم کوئی نہیں بٹاتا۔ سچ تو ہے اگر وہ ناگوار راستوں پر چل پڑے۔ کس کو ان کی پرواہ ہے۔ وہ کم از کم ان کی غمگساری تو کر ہی سکے گی! وہ قطعی ملازمت کرے گی اور اپنا سارا اثاثہ

ہاشمی کے دامن میں جھاڑ دے گی۔ کچھ تو ان کے نقصان کا مداوا ہو سکے۔ بے چارے نے کمار بھیا سے دس روپیئے ادھار لیے تھے۔ خدا کی پناہ دل پر کیا گزری ہو گی ان کے۔ عباس کی بے حسی سے خدا بچائے۔!

نوشیبہ کے دل میں ارمان و آرزوؤں کے روایتی پھول پھل نہیں کھلے۔ وہ ان فضول جذبات سے بالاتر تھی۔ اس کی واحد تمنا یہی تھی کہ وہ کسی طرح ہاشمی کے کام آئے۔ اس نے اپنے دل کی گہرائیوں میں غوطہ لگایا تب اسے پتہ چلا کہ اس نے ہمیشہ سے ہاشمی کی محبت کا انمول موتی ان گہرائیوں میں چھپا رکھا ہے!۔

رات کو وہ طعام خانے میں نہیں آئی۔ جب سب سو چکے تو کسی نے اس کے کمرے کی کھڑکی چپکے سے بجائی!۔ اس نے سوچا اس کی پالتو بلی رشیمہ اندر آنے کے لیے کھڑکی سے سر رگڑ رہی ہو گی لیکن رشیمہ تو لحاف پر بڑے مزے میں خراٹے لے رہی تھی!۔

اس سردی میں اس کا بدن پسیج گیا!۔

وہ دانتوں میں انگلی دبائے کھڑی رہی۔

نوشیبہ۔ برف ہوا جا رہا ہوں!" ہاشمی کی آواز آئی۔

دروازہ نہیں کھولوں گی" نوشیبہ نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

کھڑکی میں سلاخیں لگی ہیں... میں نے بھوت بن کر سلاخوں سے اندر گھس آنے کی پریکٹس کبھی نہیں کی!" ہاشمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

اس نے چپکے سے بولٹ سرکا دیا۔

کیا کام ہے اتنی برف پالے کی سردی میں؟" نوشیبہ کے دانت بجنے لگے!۔

تم خود ہی برف کی سل ہو" ہاشمی نے دانت پیس کر کہا، "مجھے دیکھو کہ میں

تمھاری محبت کی گرمی میں سر سے پاؤں تک آگ بنا ہوا ہوں!"

اسی لیے میں کھڑکی نہیں کھول رہی تھی!۔

اچھا اچھا سنو۔ میں ایک ضروری بات پوچھنے آیا تھا۔

پوچھیئے۔ مجھے نیند آرہی ہے!۔

تم سے ورشا نے کیا کہا تھا!"

"پھر وہی!"

اسی سوال پر میری زندگی اور موت کا دار و مدار ہے نوشیہ۔ خدا را گریز اختیار نہ کرو۔ کہہ دو۔ ورنہ تم تو کھڑکی بند کر کے سو جاؤ گی۔ مگر میں ساری رات بے تاب بے خواب رہوں گا"

کچھ نہیں۔ آپ مجھے بنا رہے ہیں۔ اب جائیے"

مدھم سی نیلگوں روشنی میں نوشیہ کا معصوم چہرہ انھیں یک لخت گلابی ہوتا نظر آیا۔

"میں پوچھنا چاہتا تھا کہ جس بناء پر ناصر علی صاحب نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ کہیں وہی وجہ تمھاری نفرت اور دوری کی نہ ہو جائے!"

شکریہ آپ کا" وہ طنزیہ لہجے میں بولی "جتنا آپ نے مجھے سمجھا ہے۔ وہ میں خود بھی نہ سمجھ سکی تھی!"

میں تو سر پر اینٹیں ڈھوتا ہوں!" ہاشمی نے بمشکل ہنسی ضبط کی۔

چپ رہیئے" اس نے برا سا منھ بنا لیا "میری زبان نہیں کھلتی۔ ورنہ میں عباس بھیا سے خوب لڑتی۔ انھوں نے میری تقرری کا کاغذ بھی پھاڑ کے پھینک دیا"

حد کر دی۔ کیا تمھاری طرف سے میں لڑوں اُن سے!"

جی نہیں... آپ ان سے ایک لفظ بھی نہ کہیئے گا" نوشیہ نے کہا" میں نے سنا ہے کہ آپ کے ابا کے انتقال کے بعد انھوں نے باپ بن کر آپ کو سہارا دیا ہے... آپ جو کچھ آج ہیں وہ عباس بھائی کی بدولت ہیں۔ روپیہ پیسہ نہایت ذلیل چیزیں ہیں ان کے حصول کے لیے لڑنا آپ جیسے شریفوں کے شایان شان نہیں!"

"نوشیہ اتنی بلند نہ ہو جاؤ کہ مجھے نظر نہ آؤ۔!"

آپ مطمئن رہیئے" نوشیہ نے محبت پاس لہجے میں کہا" میں کبھی آپ کو بیروزگاری کا شکار نہ ہونے دوں گی... عباس بھائی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ میں ملازمت کر لونگی!"

"وہ ہرگز نہ کرنے دیں گے!" ہاشمی نے غصے سے کہا۔

تو پھر میں بھی اینٹیں ڈھوؤں گی" یہ کہہ کر نوشیہ نے کھڑکی بند کردی ہاشمی ہنستے ہوئے چلے گئے۔

بھولی لڑکی۔ سچ مچ یہی سمجھ رہی ہے کہ وہ قلاش ہو چکے ہیں!۔

بات طے ہو چکی!۔

نزہت نے اعلان کیا کہ کمار کی شادی سے ایک روز قبل ہاشمی کی بھی شادی ہو جائے گی!۔ بہت کم دن باقی رہ گئے تھے۔ ازسرنو جلد ترسنی سائیڈ سجائی گئی۔ پوری عمارت اسم باسمّٰی معلوم ہو رہی تھی!۔

عباس اور نزہت کے رشتے داروں سے کوٹھی لبریز ہو گئی۔

نہایت سیدھی سادی شادی تھی۔ نہ باجے نہ گاجے۔ شوروغل بھی بہت زیادہ نہ تھا!۔ نوشیہ چند اجنبی لڑکیوں کے درمیان گم صم بیٹھی تھی! درشا کو اس کی ممی نے آنے نہیں دیا تھا۔ دوسرے ہی روز اس کی بھی شادی تھی!۔ البتہ مسز شبیر دو روز قبل آ گئی تھیں۔

نوشینہ کو اپنے پیارے ابا یاد آرہے تھے! وہ کہا کرتے تھے۔ میں اپنی
پھولوں سی بٹیا کی شادی میں چاند تاروں سے شامیانہ سجاؤں گا۔
میرے پیارے ابا آج آپ کہاں ہیں۔
اسے اپنی امی یاد آئیں۔ پریشان سی مضمحل غم روزگار کی ستائی ہوئی
کمروں کمروں جھانکتی ہوئی۔ اے اللہ۔ کوئی چیز ایسی نہیں جسے بیچ کر
میں بیمار شوہر کا علاج کر سکوں!۔
امی کسمپرسی کے عالم میں مر گئیں آج ان کا بوسیدہ بدن قبر کی تاریکیوں
میں گم ہو گیا ہے۔
اگر آج وہ ہوتیں تو اسے سینے سے لگا کر اس کے سر پر آنسوؤں کے
پھول برسانے لگتیں۔
بابا نبی بخش۔ تم بھی میرے غم پر قربان ہو گئے۔
ہائے آج کہاں ہیں۔ یہ سب کے سب میرے اپنے لوگ۔
اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں دواں تھا۔
نزہت بار بار اسے گلے لگا کر پیار کر چکی تھیں۔ عباس ایک مرتبہ آئے
تھے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا تھا "میری بچی۔ دل بھاری کرنے
کی کیا بات ہے۔ تم تو ہمیشہ میرے سینے سے لگی رہو گی" لیکن وہ کیا کرتی۔ اس کا
دل پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا تھا! مسز شبیر اسے گلے لگائے تھیں
اور وقت مقررہ پر بڑی سادگی سے وہ ہاشمی کی زندگی میں ہمیشہ
کے لئے چلی آئی۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ وہ ہاشمی کا سہارا لے نہیں رہی ہے۔
بلکہ انھیں سہارا دے رہی ہے۔
آدھی رات گذر چکی تھی۔ جب نزہت نے اس سے کہا کہ اسے ہاشمی کے

ساتھ کچھ دیر کے لئے کہیں جانا ہے۔ ان کا جگری دوست بیمار تھا، شادی میں شریک نہ ہوسکا تھا لہٰذا ہاشمی اسے لے جانا چاہتے ہیں!

جب وہ باہر آئی تو اسے حیرت کا پہلا جھٹکا لگا۔ اس نے ہاشمی کی گاڑی دیکھی۔ سفید کتھئی خوش رنگ گاڑی جس کے متعلق اس نے سنا تھا کہ بک چکی ہے! دو رنگی چمکیلی تیز رفتار کار دو جسموں اور ایک دل کو لے کر آناً فاناً ہوا ہوگئی۔ اور فرط تعجب سے اس کے قدم من من بھر کے ہوگئے جب اس نے اپنے جانے پہچانے پرانے گھر آفتاب منزل کے گیٹ میں خود کو اترتے ہوئے محسوس کیا!

ہاشمی اسے سہارا دے کر اندرونی کمرے میں لے آئے۔

حجلۂ عروسی۔

جو ترشے ہوئے ہیرے کی طرح جھلمل جھلمل کر رہا تھا!۔

یہ کمرہ اس کا اپنا کمرہ تھا۔!!

اس کا دل غیر معمولی طور پر دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں برف ہو رہے تھے! اور دماغ ماؤف۔۔!

اس نے اپنے سہرے کی نازک نازک جھالر ہٹائی اور اپنے سامنے پرنس مصطفےٰ احمد ہاشمی کو دیکھ کر فرط حیا سے کانپنے لگی! پلکیں جھپکیں اور اس نے نظریں جھکا لیں۔

ہاشمی اپنے عروسی لباس میں ملبوس کچھ زیادہ پر وقار اور بارعب نظر آرہے تھے۔ ان کے عنابی لبوں پر نہایت محبت پاش مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

ان کا بیمار دوست کہاں ہے؟۔ ہوسکتا ہے وہ آفت کا مارا مہاجن ہی بیمار ہوگیا ہو۔ جس کے یہاں ہاشمی مزدوری کرتے رہے ہیں۔ بے چاری سوچنے لگی تھی!۔

نوشیہ ۔" ہاشمی کی بھاری محبت پاش آواز کا نغمہ اس کے کانوں سے ٹکرا کر دل کی وسعتوں میں پھیل گیا۔

نوشیہ ۔ مجھے معاف کر دو ۔ میرا کوئی دوست بیمار نہیں ہے ۔ میں تو اسی بہانے تمھیں آفتاب منزل لانا چاہتا تھا ۔ یہ مکان اب بھی تمھارا ہی ہے نوشیہ ۔ میں نے تمھارے حصول کی خاطر بہت سے جھوٹ بولے ہیں ۔

وہ گونجیلی ہنسی ہنسے ۔

" مجھے بُرا بھلا نہ کہنا ۔ اچھا ۔ دراصل میں تمھیں کھونا اور فرخندہ کو اپنے سر پر مسلط کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ اسی لیے یہ سارا ناٹک رچایا ۔ کمار نے یہ پلان بنایا تھا ۔ اسی بدمعاش نے میرے افلاس و غربت کی جھوٹی کہانیاں نام علی صاحب تک لکھ کر پہونچائی تھیں ۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا ۔"

کیا وہ سب غلط تھا ؟" حیرت سے سن ہو کر نوشیہ نے پوچھا ۔

بالکل ۔" ہاشمی ہنسنے لگے " عباس بھائی مجھے اپنے حقیقی بھائی سے بڑھ کر چاہتے ہیں ۔ انھوں نے اپنی ساری املاک مجھی کو سونپ دی ہے ۔ میں اور کمار مل کر سارا حساب کتاب کرتے ہیں ۔ ۔ ان کی بے پایاں محبت سے یہ بعید تھا کہ وہ مجھے در در کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیتے !"

ہاشمی نے قہقہہ لگایا " جیسا کمار بدمعاش ہے ۔ ویسا ہی ورشا بھی شریر ہے ۔ لیکن یہ حقیقت ہے دونوں بے حد پُر محبت اور مخلص ہیں ۔ دونوں کی مشترکہ سازش تھی ۔ باجی بے چاری کو ابھی تک پتہ نہیں ۔ تم بھی تذکرہ نہ کرنا ۔ وہ بہت پیار کرتی ہیں ۔ یہ شائد ان کی بھول تھی کہ میرے سلسلے میں ان کی نظر تم پر نہیں پڑی تھی ۔ لیکن اب وہ بہت خوش ہیں !"

" آپ نے اینٹیں بھی تو اٹھائی تھیں "

ہاشمی نے پھر قہقہہ لگایا۔" وہ سب بکواس تھی۔ نوشیبہ۔ آفتاب منزل کی
تعمیر کے سلسلہ میں ایک روز مجھے کسی مزدور کا ہاتھ بٹانا پڑا تھا۔ اسے یہ
کمار لے اڑا۔ اور تمھارے دل کو پگھلانے کے لیے اتنی مرتبہ اس نے پردرد لہجے
میں یہ بات کہی تھی کہ تم واقعی اسے اب تک نہ بھول سکیں!"

"یا اللہ۔ آپ نے اتنی ساری غلط باتیں کی ہیں" نوشیبہ کپکپا گئی۔

"کیا کرتا۔ نوشیبہ۔ میں بخوبی جانتا تھا کہ پرنس مصطفےٰ احمد ہاشمی تمھارا دل
جیتنے میں زندگی بھر کامیاب نہ ہو سکے گا! لیکن مفلس و بے نوا ہاشمی نے تھوڑا سا
جھوٹ بول کر تمھیں پا لیا۔ نوشیبہ۔ میں چاہتا تھا کہ تمھیں وہ سب کچھ واپس کر دوں
جو تم سے چھن چکا ہے۔ لیکن خدارا مجھے اب بھی تہی دست ہاشمی سمجھو۔ جو تمھاری
محبت کا طالب ہے تم سے تمھاری توجہ اور تمھارے خلوص کی بھیک مانگتا ہے!"

نوشیبہ نے اپنا حنائی ہاتھ ان کے لبوں پر رکھ دیا۔

"تمھارے عطا کردہ ڈھائی سو میرے پاس محفوظ ہیں۔ وہ میں تمھیں کبھی نہیں
دوں گا۔

پردے کے پیچھے سے آواز آئی" ارے ظالم۔ وہ ڈھائی سو مجھے دے دو میری
محنت کا معاوضہ بھی تو کچھ ہونا چاہیئے"

کمار تم اس وقت؟۔ ایے کیا اتنی رات گئے بھی چین نہیں!" ہاشمی جھپٹ
کر اٹھے اور پردہ ہٹا دیا۔

اِدھر دیکھو!" کمار نے اندھیرے گوشے میں اشارہ کیا" میں اکیلا نہیں آیا۔
انھیں بھی اڑا لایا ہوں۔

ورشا ہے" ہاشمی نے تعجب سے کہا" ارے یہ کیسے آسکی؟"

رو رو کر نیم جان ہوئی جا رہی تھیں۔ میں لے کے یہاں آیا ہوں۔ بڑی مشکل سے

ہاتھ لگیں۔!" کمار نے بتایا "مجھے یہاں رخصت کرنے کے بعد ان کی ممی نے فرمائش کی کہ انھیں گھر پہونچا تا جاؤں۔ میں نے سوچا نوشیہ کے بھاگوں ورشا کا چھینکا ٹوٹا ہے۔ ممی کو اندر پہونچایا اور ورشا کو پچھلے دروازے سے لے اڑا۔ دونوں سے کہو گلے مل کر دل کی بھڑاس نکال لیں تو پھر واپس اسی پنجرے میں چھوڑ آؤں ورنہ صبح کو تم میرے سر پر ایک بال بھی نہیں دیکھو گے!"

ورشا پہلے ہی نوشیہ سے چمٹی ہوئی تھی! پتہ نہیں دونوں رو رہی تھیں یا ہنس رہی تھیں۔ نوشیہ کے سہرے میں ورشا گم ہو گئی تھی!۔

فرط جذبات سے بے قابو ہو کر ہاشمی نے بازو پھیلا دئے۔ کمار آگے بڑھے اور دونوں دوست ایک دوسرے کے سینے سے چمٹ گئے!!!

A.7

تمام شد

عفت موہانی

کے دلچسپ و پاکیزہ معاشرتی ناول جو خواتین میں بیحد مقبول ہیں

ایک چراغ دور کا 10/- • بزدل 7/- • پیمان 12/-

آہوں کے گیت 10/- • پھول کا دل 7/- • تقدیر 12/-

زود پشیماں 10/50 • سچے بندھن 6/- • ستم کے سہارے 6/50

سویرے 9/- • سزا 8/- • شام تمنا 8/-

شرارت 7/80 • درد کا رشتہ 12/- • داغ دل 7/50

محبت نام ہے غم کا 7/- • محبت کی راہیں 7/-

ہمسفر 12/- • مداوا 10/50 • ہم تو چلے بس تیرے لئے 7/50

درد و درماں 7/ • صنم 10/ • صہبا 15/-

وفا کا دکھ 6/80 • پرائی آگ 6/31